www.urducouncil.nic.in

دسمبر 2021، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

خواب خوشبو اور کتاب

کتاب سے بچوں کا رشتہ

بچوں کی کتابیں اور قومی اردو کونسل

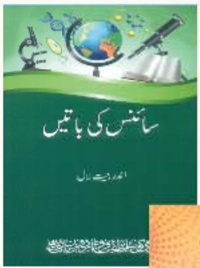

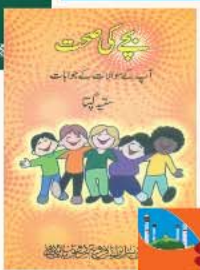

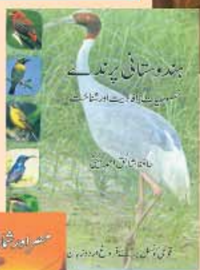

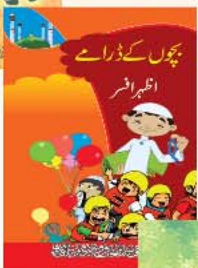

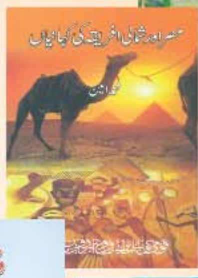

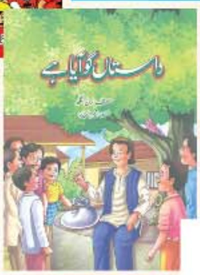

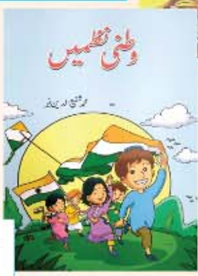

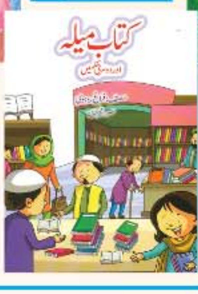

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

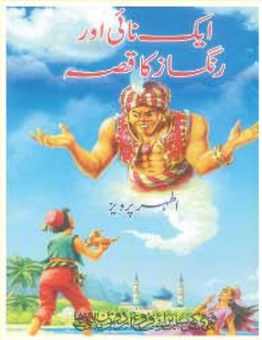

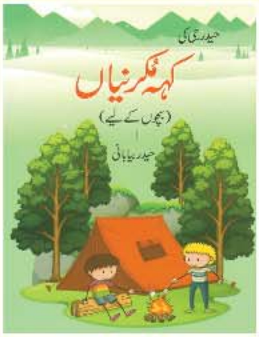

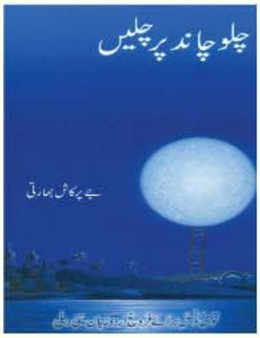

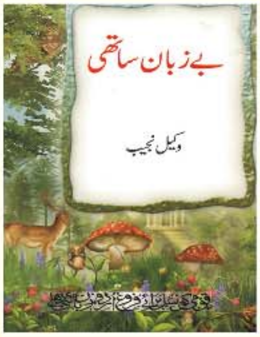

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
کتابیں اور بچے		
خواب، خوشبو اور کتاب	حقانی القاسمی	06
کتاب سے بچوں کا رشتہ	یوسف رامپوری	07
بچوں کی کتابیں اور قومی اردو کونسل	نوشاد منظر	10
نظمیں		
مسٹر چیونگم	محمد اسد اللہ	15
اہلِ علم کی عزت علم کی بدولت ہے	شمشاد احمد راضی	15
پاس ہمارے نہ آئے کورونا	دل کھولا پوری	16
بھارت کی تنویر ہے تم سے	نوشاد مومن	17
والدین	شفیق الدین شایاں	18
زباں	یاسین زاہد	19
میرا بچپن		
بچپن کی کہانیاں	نذیر فتح پوری	20
مضامین		
شیخ سعدی شیرازی کی دو مایہ ناز کتابیں	رئیس صدیقی	23
والدین اور اساتذہ سے بچوں کا باہمی رشتہ	احسان عالم	26
معذوروں کی پریشانیاں	ابو امامہ رحمانی	29
ملیے اپنے قلمکاروں سے		
منظور وقار سے گفتگو	غضنفر اقبال	31
ڈراما		
سرفروشی	باغبان ہارون رشید	35
بچوں کے بڑے ادیب		
بچوں کا ڈراما نگار : مجید مجازی	عروسہ فاروق	37
کہانیاں		
رنگ برنگی سبزیاں	شاہ تاج	41
اتحاد کی طاقت	محمد الیاس	45
غصے کی زنجیر	محمد علیم اسماعیل	48
مطالعے کا رنگ	یسریٰ اسد	51
غلطی کا احساس	یاسمین بانو	53
بچوں کا کتب خانہ		
آفتاب حسنین کی تیس کہانیاں	ایم مبین	56
زبان شناسی		
الفاظ کے املا و تلفظ میں فرق		58
صحت اور سائنس		
چائے اور صحت	عبید الرحمن	59
کہکشاں		
تعجب ہے...	سید رضاء الحق ارشاد	61
ننھے فنکار		

بچوں کی دنیا

جلد: 9 شمارہ: 12 دسمبر 2021

مدیر : ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم : شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746
ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز:22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون:040-24415194

سرِورق کی خطّاطی
محمد زبیر

پیارے بچو! کیا کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ دنیا میں آپ کا سب سے بہترین دوست کون ہے؟ وہ دوست جو آپ کے مستقبل کی تعمیر کرتا ہے اور آپ کے خوابوں کو تعبیر عطا کرتا ہے۔

ایک ایسا دوست جو کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتا۔ ہر لمحے اور ہر موڑ پر آپ کا نہ صرف ساتھ دیتا ہے بلکہ مشکل حالات میں بھی آپ کی بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

اس دوست کی تلاش کریں تو کائنات میں صرف اور صرف کتاب ہی نظر آئے گی جو آپ کی سب سے بہترین رفیق ثابت ہوسکتی ہے جو تنہائیوں میں آپ کا پورا ساتھ دیتی ہے، کتاب ہی زندگی اور گفتگو کے آداب سکھاتی ہے، اسی کے ذریعے آپ پوری دنیا کی تہذیب و ثقافت سے باخبر ہوتے ہیں۔ وہ ممالک، وہ قومیں جن سے براہِ راست آشنائی کا کوئی ذریعہ نہیں وہاں کی تہذیب، ثقافت، عادات واطوار سے کتابیں ہی آپ کو واقف کراتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کتابوں سے ہی ذہن کے افق کو وسعت ملتی ہے۔ لفظوں کا بیش بہا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے۔ ماضی کے قصے، کہانیاں، حکایتیں، روایتیں، تاریخ، تہذیب، ثقافت، معاشرت اور ان کے علاوہ بہت ساری معلومات کا ذریعہ یہی کتابیں ہوتی ہیں۔ کتابیں ہی ہیں جو آپ کے لیے امکانات کے نئے نئے دروازے کھولتی ہیں۔ اس لیے پیارے بچو اگر آپ اپنے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانا چاہتے ہیں، اپنے ملک، اپنی قوم کا سر فخر سے بلند کرنا چاہتے ہیں تو کتابوں سے رشتہ جوڑیے کیونکہ کتابیں آپ کے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر سکتی ہیں۔ کتاب سے رشتہ جوڑتے ہی آپ کے ذہن کی دنیا بدل جاتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایسی پراسرار کائنات میں داخل ہوگئے ہیں جہاں ہر طرف معلومات اور اطلاعات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ان خزانوں سے زندگی کو ایک نئی راہ اور نئی منزل ملتی ہے۔ اسی لیے پوری دنیا میں کتابوں سے رشتہ جوڑنے کے لیے کتاب میلوں کا انعقاد برسوں سے کیا جاتا رہا ہے اور اس کا افادی پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سی اہم اور مفید کتابوں تک آپ کی رسائی ہوجاتی ہے۔ ان کتاب میلوں میں آپ کے ذہن اور ذوق کی کتابیں مل جاتی ہیں۔ تو پیارے بچو! کتاب میلے کو ایک سنہرا موقع جان کر کتابوں سے اپنا رشتہ جوڑیے، کیونکہ یہ وہ رشتہ ہے جو زندگی بھر آپ کے کام آئے گا اور آپ کے ذہن کو ہمیشہ صحت مند رکھے گا۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

نومبر 2021 کا شمارہ پا کر بہت خوشی ہوئی۔ عمدہ سرورق بہترین آرٹ پیپر پر چھپے شمارے کے لیے ادارہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی شیخ عقیل احمد صاحب کا اداریہ بچوں کے لیے اہم پیغام لیے ہوئے ہے۔ شمارے میں شامل سبھی تخلیقات معیاری اور دلچسپ ہیں بطور خاص۔ عطیہ پروین صاحبہ کی نظم 'اچھی بچی'، رونق جمال کا 'بچپن کا شوق اور خوش حالی'، عاکف سنبھلی کا 'تاج کا ہیرا' وغیرہ بے حد پسند آئے۔ سبھی قلم کاروں کو دلی مبارک باد۔

شارق اعجاز عباسی، دہلی

'بچوں کی دنیا' اکتوبر 2021 موصول ہوا۔ اس کے سرورق پر مہاتما گاندھی کی تصویر دیکھ کر دو اکتوبر گاندھی جینتی کی یاد تازہ ہوگئی اور یہ بھی کہ ہمارے نونہالوں کو یہ پاکیزہ پیغام ہے کہ انتھک محنت میں کامیابی چھپی ہوتی ہے۔ اس خوشی کے موقع پر 62 صفحات پر مشتمل یہ گلدستہ اپنے آپ میں 27 تروتازہ خوشبو سے مہکتے ہوئے پھول سمیٹے ہوئے ہے۔ ان میں نظمیں تو سہل اور دلچسپ ہیں لیکن کچھ کچھ نثری مضامین کی عبارت مشکل لگتی ہے، جیسے بڑے اور زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے لکھے گئے ہوں۔ لیکن مجموعی طور پر اچھا شمارہ ہے اور مہینے بھر خوشیاں اور خوشبو بکھیرتا ہے۔ اللہ نظرِ بد سے بچائے۔

مصطفیٰ ندیم خاں غوری، بی-11، گرین ویلی، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

اکتوبر 2021 کا ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' دستیاب ہوا۔ آپ کا تحریر کردہ اداریہ بچوں ہی کے لیے نہیں بلکہ سرپرست صاحبان کے لیے بھی مشعل راہ ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس پر عمل درآمد ہو۔

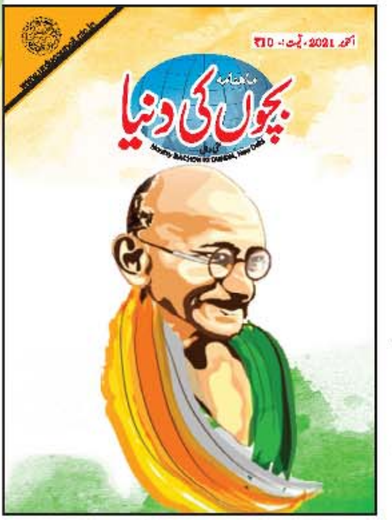

کاش درسی کتب کے علاوہ بھی ہمارے بچے معلوماتی و اصلاحی کتابوں کی فرمائش سرپرستوں سے کرتے تو بقول ڈاکٹر عقیل احمد مدیر بچوں کی دنیا ''تو آپ کو اپنے مستقبل سنوارنے میں بہت مدد ملے گی' اداریے میں راقم کا یہی جملہ دعوت فکر کے لیے کافی ہے۔ اللہ رب العزت اس ادارے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

عبدالرزاق دل کھولا پوری، (دل بھارتی ہاؤس)، کھولا پور، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کا شمارہ بک اسٹال سے حاصل کر کے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ اداریہ پسند آیا، اس کے علاوہ ڈاک خانہ، ڈاک کا نظام اور پن کوڈ کی اہمیت دل کو خوش کر گئے۔ 'اکتوبر اہم دنوں کے آئینے میں' اچھا مضمون ہے۔ نظمیں بھی پیاری لگیں۔ 'اگر سڑک پر چلتی ریل'، ویران قلعے کے کبوتر' اور افتخار انیس حمیدی کی 'لومڑی کی آخری کہانی' واقعی دل کو شاداب کر گئی۔ 'وقت کی چوری' اور 'بنجارا' بھی اچھی کہانی تھی۔ سبھی قلمکاروں کو مبارکباد! آخر میں معلومات عامہ، چمن چمن کے پھول اور پینٹنگ بہت پسند آئی۔

عبدالمجید مکرو، اروانی، کلگام، جموں وکشمیر

خواب، خوشبو اور کتاب

پیارے بچو! کتاب ایک بڑی کائنات ہے جس کے صفحے پر جو ننھے منے حروف جھلملاتے ہیں وہ دراصل آپ کی اندھیری راہوں کو روشن کرتے ہیں۔ جب یہی حروف آہستہ آہستہ بڑے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے مل کر توپ اور تلوار سے بھی زیادہ طاقتور بن جاتے ہیں اور یہی ہماری اور آپ کی زندگی کو نئے خواب اور نئی منزلوں کا راستہ دکھاتے ہیں۔ ان حرفوں سے آپ کا رشتہ جڑتا ہے تو زندگی کی وہ بہت سی حقیقتیں روشن ہونے لگتی ہیں جن سے آپ پہلے واقف نہیں ہوتے۔ باہر کی ایک نئی دنیا ان حرفوں کے وسیلے سے آپ کے سامنے ہوتی ہے۔ ماضی کی تاریخ، تہذیب، اوراقِ پارینہ اور لفظوں کی ایک پوری خوبصورت دنیا سے آپ روبرو ہوتے ہیں۔ یہی حروف ہیں جو سورج، چاند ستارہ بن کر پوری زندگی آپ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور پوری دنیا سے مکالمے کا یہی ذریعے بنتے ہیں۔ ان حروف سے جو ایک کتاب بنتی ہے وہ گلاب کی طرح آپ کے پورے وجود کو مہکاتی رہتی ہے۔ آپ کی سوچ میں جو روشنی، رنگ اور خوشبو ہے وہ سب اسی کتاب کی وجہ سے ہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی کتابیں آپ کی زندگی کو بہت بڑا بنا دیتی ہیں اس لیے بچو! کتابوں سے اپنا رشتہ جوڑیے کہ اسی میں روشنی ہے اور راحت بھی۔ یہی آپ کی منزل ہے اور مستقبل بھی۔ زندگی سے یہ حروف غائب ہو جائیں تو روشنی دور بہت دور چلی جاتی ہے، آنکھوں میں اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔

کتابوں کے ان حرفوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ خاک کو خورشید بنا سکتی ہے، اس کی جادوئی طاقت کسی کو بھی حکمرانی عطا کر سکتی ہے۔ یہی حروف ہمارے خواب کو تعبیر عطا کرتے ہیں، ہمارے پَر کو پرواز دیتے ہیں، ہماری آرزوؤں اور امنگوں کو نئی اڑان دیتے ہیں۔ یہی حروف ہیں جو ہماری روح کو شاداب و آباد رکھتے ہیں۔ کتابوں کے ان حرفوں میں رات کی رانی اور چنبیلی کی عجب مدہوش کن خوشبو ہوتی ہے۔ ذرا سا چھونے سے پورے وجود میں یہ خوشبو پھیل جاتی ہے۔ لفظ و خیال اور احساس و اظہار کی خوشبو سے رشتہ جڑتے ہی ذہن میں توانائی اور تابندگی سی محسوس ہوتی ہے اور انہی حرفوں سے بنی کتاب سے شعور و آگہی کے دریچے کھلتے ہیں جن میں ہماری ہماری ترقی اور کامیابی کے سارے راز ہیں۔ کتابوں کے بغیر کوئی بھی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ کسی قوم کی تاریخ محفوظ رہ سکتی ہے۔ کتاب سے رشتہ جوڑے بغیر یہ دنیا بھی ہماری مٹھی میں نہیں آ سکتی۔ ہر کامیابی اور کامرانی کے پیچھے انہی حرفوں کا جادوئی طلسم ہوتا ہے۔

آج جب ہر طرف ماحول میں منافرت، کثافت، آلودگی، اور بارود کی بو پھیلی ہوئی ہے تو ایسے میں کتاب کی خوشبو ہی ہمیں ہر طرح کی منفی سوچ اور احساس سے محفوظ رکھتی ہے اور مثبت راہ دکھاتی ہے۔ غلام محمد قاصر کا بہت اچھا شعر ہے۔

بارود کے بدلے ہاتھوں میں آ جائے کتاب تو اچھا ہو
اے کاش ہماری آنکھوں کا اکیسواں خواب تو اچھا ہو

حقانی القاسمی

یوسف رامپوری

کتاب سے بچوں کا رشتہ

علم حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں لیکن ان میں زیادہ موثر ذریعہ 'کتاب' ہے۔ خالق دوجہاں کی طرف سے کتب وصحائف کا نزول بھی اسی لیے ہوا کہ انسان کے علم میں اضافہ ہو، وہ زندگی گزارنے کے طریقوں کو جانے، صحیح راستے کو پہچانے اور کامیابی کی منزلوں کو طے کرتا چلا جائے۔ ہر زمانے میں شائقینِ علم نے کتابوں سے گہرا رشتہ رکھا ہے۔ بہت سے علما اور تجربہ کار افراد نے کتابیں اسی لیے لکھیں تاکہ اپنے علم اور اپنے مشاہدات وتجربات کو اس کے اندر تحریر کردیں کہ آنے والی نسلیں انھیں پڑھ کر ان سے مستفید ہوں اور اپنے علم ومعلومات میں اضافہ کریں۔ کتابیں پڑھانے کے لیے ادوارِ رفتہ میں مدرسے قائم کیے گئے، درسگاہیں اور یونیورسٹیاں بنائی گئیں اور ان میں باضابطہ مدرسین کو مقرر کیا گیا تاکہ وہ طلبا کو کتابیں پڑھائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان اداروں اور درسگاہوں سے بڑے بڑے علم داں اور دانشوران نکلے۔ انھوں نے اپنے اپنے حلقوں میں عوام الناس کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور انسانیت کی بڑے پیمانے پر خدمت کی۔ آج بھی کتابیں پڑھانے کا رواج دنیا بھر میں موجود ہے۔ ہر ملک اور ہر خطے میں بے شمار اسکول، ادارے اور یونیورسٹیاں قائم ہیں جہاں مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابیں پڑھائی جارہی ہیں۔

یوں تو ہر زمانے میں بہت سی کتابیں لکھی اور پڑھی گئی ہیں لیکن گزشتہ چند صدیوں کے دوران کتابیں لکھنے اور پڑھنے پر زیادہ زور صرف کیا گیا۔ کیونکہ گزشتہ صدیوں میں ہر جگہ علم کی روشنی پھیلنے لگی تھی، لوگ تعلیم کے فوائد اور جہالت کے نقصانات کا اندازہ کرچکے تھے۔ پھر اس زمانے میں کتابوں کی چھپائی بھی آسان ہوگئی۔ اس لیے پڑھے لکھے لوگوں کا کتابیں لکھنے کی طرف زیادہ میلان ہوا تاکہ وہ اپنے علم وتجربات کو لوگوں کے سامنے پیش کردیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں کے دوران دنیا بھر میں علم کی روشنی زیادہ پھیلی۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ عین اس وقت جب کتابیں لکھنے اور پڑھنے کا رواج بڑھ رہا تھا، اسی وقت کتابی دنیا میں انحطاط کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اس زمانے میں الیکٹرانک وسائل کی فراہمی اور انٹرنیٹ کا عروج ہے۔

عوام الناس کے درمیان انٹرنیٹ کی مقبولیت کو ابھی چند

ہی سال گزرے ہیں کہ انسان کی دلچسپی کا بہت سا مواد اس پر جمع ہوگیا ہے۔ چنانچہ اب لوگ موبائل اسکرین پر انٹرنیٹ کے ذریعے سے اپنی دلچسپی کی چیزیں تلاش کرتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ کوئی کتاب بھی پڑھنا چاہتے ہیں تو اسے بھی انٹرنیٹ پر ہی تلاش کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر زیادہ وقت صرف کرنے کے سبب کتابوں سے ان کی توجہ ہٹتی جارہی ہے۔ اسی لیے گزشتہ چند سال کے عرصے میں کتابوں کے قارئین کی تعداد میں تشویشناک حد تک کمی آئی ہے اور اگر یہی صورت حال آگے بھی جاری رہی تو اگلی چند دہائیوں میں لوگوں کا رشتہ کتابوں سے بالکل ہی ٹوٹ جائے گا یا برائے نام رہ جائے گا اور یہ پوری انسانیت کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ اس لیے کہ کتابوں کے بغیر مضبوط علم کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسکرین کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات کی حیثیت سرسری علم کی ہوتی ہے، جب کہ کتابوں کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات میں گہرائی وگیرائی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسکرین پر چاہے وہ ٹی وی کی ہو، کمپیوٹر کی ہو، یا موبائل کی ساری زندگی معلوماتی چیزیں دیکھتا رہے، تب بھی اسے اتنا گہرا علم حاصل نہیں ہوگا جتنا کہ چند درجن اچھی کتابیں پڑھ کر ہوسکتا ہے۔ اس لیےفوری طور سے ہر شخص کو کتابوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، خاص طور پر نئی نسل کو کتابوں سے جوڑنا بہت زیادہ ضروری ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں بچوں کو موبائل، ٹی وی اور کمپیوٹر کی اسکرین بہت متاثر کررہی ہے۔ ہر بچہ موبائل پر اپنا زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہے اور گزار رہا ہے۔ ایسے میں یہ خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ بچے جو اس وقت پانچ سے دس سال کی عمر میں ہیں، وہ آگے چل کر کتابوں سے اپنے رشتے کو بالکل منقطع کرلیں گے، اُس وقت انھیں کتابیں پڑھنے میں الجھن محسوس ہوگی، ان کا ذہن سطحی ہوکر رہ جائے گا اور گہرائی وگیرائی میں اترنے سے بھی وہ گھبرانے لگیں گے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ایسی صورت میں اگلی چند دہائیوں کے دوران دنیا سے علم کے کم ہونے کے خطرات پیدا ہوجائیں گے۔ اسی کے ساتھ ان کی تخلیقی صلاحیت بھی ماند پڑجائے گی۔ اس لیے فی زمانہ اس بات کی کوشش کی جانی چاہیے کہ نئی نسل کتابوں کی طرف مائل ہو اور وہ موبائل پر زیادہ وقت خرچ کرنے کی بجائے کتابوں کے مطالعے میں زیادہ وقت گزارے۔

کتابوں کے علاوہ بچوں کو ایسے رسائل بھی پڑھنے کو دیے جانے چاہئیں جن میں بچوں کی نفسیات اور مزاج کو سامنے رکھ کر مواد شائع کیاجاتاہے۔جیساکہ ایک ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان سے شائع ہوتاہے، اس کے تمام صفحات رنگین ہوتے ہیں۔ تصویریں بھی دی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں جو مضامین، نظمیں اور کہانیاں شائع کی جاتی ہیں، ان میں بھی بچوں کی عمر اور دلچسپی کا خیال رکھا جاتا ہے

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دور میں جب کہ ٹی وی کی رنگین اسکرین موجود ہے، موبائل پر ڈھیر سارے پروگرام دستیاب ہیں، تو کتابوں کی طرف وہ کیسے مائل ہوں؟ دراصل اس معاملے میں اساتذہ کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور والدین کو بھی۔ والدین اور اساتذہ انھیں ایسی کتابیں پڑھنے کے لیے دیں جو ان کے مزاج کے مطابق ہوں اور جنھیں وہ دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکیں۔ مثلاً تین سے پانچ سال کے بچوں کو تصاویر والی کتابیں دی جائیں۔ اس لیے کہ وہ اس عمر میں کتابیں پڑھنے کے لائق نہیں ہوتے اور انھیں اس عمر میں

تصویریں دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ چھ سال سے آٹھ سال کے درمیان کے بچوں کو بھی ایسی کتابیں پڑھنے کو دی جاسکتی ہیں جو باتصویر ہوں، البتہ ان میں عبارت بھی لکھی ہو۔ اس طرح انھیں تصویر کی مدد سے تحریر کی طرف لایا جاسکتا ہے۔ بچوں کے لیے موضوعات کے اعتبار سے کتابوں کا انتخاب بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کس عمر میں کن موضوعات سے بچوں کو فطری دلچسپی ہوتی ہے، انھی موضوعات پر انھیں کتابیں دی جانی چاہئیں۔ مثلاً چھوٹے بچوں کو کہانیاں سننا اچھا لگتا ہے، اس لیے انھیں قصہ کہانیوں پر مشتمل کتابیں پڑھوائی جائیں تاکہ وہ انھیں دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکیں۔

دس بارہ سال کے بچوں کو نصیحت والی کتابیں بھی پڑھنے کو دی جاسکتی ہیں، البتہ وہ نصیحتیں اگر کہانی کے انداز میں ہوں تو نہ صرف وہ ان پر اثر انداز ہوں گی بلکہ انھیں پڑھنے میں بھی مزہ آئے گا۔ یہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح کی کتابیں بچے بار بار پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوک کہانیوں پر مبنی کتابیں بھی انھیں پڑھنے کے لیے دی جانی چاہئیں۔ کیونکہ یہ کتابیں بچوں کے مزاج کے مطابق ہوتی ہیں۔ لوک کہانیوں کو وہ اپنے بڑوں سے سننا بھی چاہتے ہیں اور خود پڑھنا بھی چاہتے ہیں۔ لوک کہانیوں کے ذریعے وہ اپنی تہذیب، ثقافت، اور اپنے ماضی سے بھی جڑ سکتے ہیں اور پرانے زمانے کے انسانوں کے رہن سہن، رسم ورواج اور طرز حیات سے بھی واقف ہوسکتے ہیں۔ کہانیوں کے علاوہ بچوں کو پڑھنے کے لیے ڈرامے بھی دیے جاسکتے ہیں کیونکہ ڈراموں سے ان کی طبیعت بڑی ہم آہنگ ہوتی ہے، وہ ڈرامے دیکھنے اور پڑھنے میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں۔ سمجھدار بچوں کو سائنسی، مذہبی اور ادبی کتابیں بھی پڑھنے کے لیے دی جاسکتی ہیں، تاہم اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ وہ بچوں کے مزاج ودلچسپی کے مطابق ہوں۔

کتابوں کے علاوہ بچوں کو ایسے رسائل بھی پڑھنے کو دیے جانے چاہئیں جن میں بچوں کی نفسیات اور مزاج کو سامنے رکھ کر مواد شائع کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے شائع ہوتا ہے، اس کے تمام صفحات رنگین ہوتے ہیں۔ تصویریں بھی دی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں جو مضامین، نظمیں اور کہانیاں شائع کی جاتی ہیں، ان میں بھی بچوں کی عمر اور دلچسپی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ قومی اردو کونسل بچوں کے لیے بہت سی کتابیں بھی شائع کرچکی ہے جن میں بعض کتابیں طبع زاد ہیں اور بعض ترجمہ ہیں۔ قومی اردو کونسل دوسری زبان کی انھیں کتابوں کا ترجمہ کراتی ہے جو بہت معروف اور مفید ہوتی ہیں۔ قومی اردو کونسل کے علاوہ اور بھی کئی ادارے بچوں کے لیے کتابیں ورسالے شائع کرتے ہیں یا کرچکے ہیں۔ مثلاً مکتبہ جامعہ نئی دہلی، اشاعت اردو حیدرآباد دکن، نئی کتاب گھر نئی دہلی، شیخ غلام بک ڈپو لاہور، ماہنامہ پھول لاہور، انڈین پریس الہ آباد، سنگم کتاب گھر دہلی، کتابی دنیا، نسیم بک ڈپو لکھنؤ، کھلونا بک ڈپوئی دہلی، ماہنامہ کلیاں لکھنؤ، نرالی دنیا پبلی کیشنز، دہلی اور نہرو بال پستکالیہ نئی دہلی وغیرہ۔ ان میں سے بعض ادارے آزادی سے پہلے کے ہیں اور بعض آزادی کے بعد کے۔ اگر ان اداروں سے شائع ہونے والی کتابیں دستیاب ہوں تو وہ بچوں کو مہیا کرائی جاسکتی ہیں۔ دور حاضر میں جو ادارے بچوں کے لیے کتابیں اور رسالے شائع کررہے ہیں، ان میں مکتبہ جامعہ وپیام تعلیم نئی دہلی، نیشنل بک ٹرسٹ دہلی، رحمانی پبلی کیشنز مالیگاؤں، ادارہ الحسنات رامپور، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، بچوں کا ادبی ٹرسٹ دہلی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ■

Yusuf Rampuri
Tanda
Rampur - (UP)

بچوں کی کتابیں اور قومی اردو کونسل

نوشاد منظر

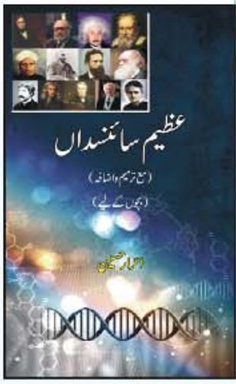

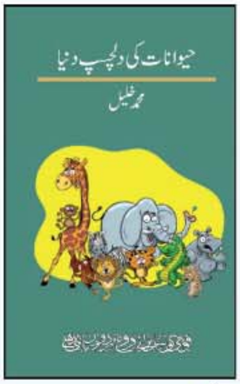

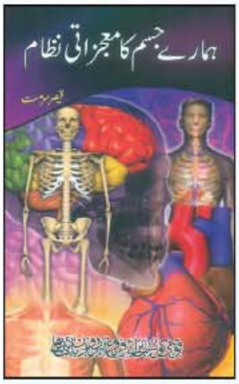

بچوں کے لیے سائنسی کتابیں

قومی اردو کونسل ہندوستان ہی نہیں بلکہ اردو دنیا کا بڑاادارہ ہے۔اس ادارے سے چار رسالے شائع ہوتے ہیں جن میں ایک سہ ماہی (فکروتحقیق) ہے جب کہ بقیہ تین (اردو دنیا، خواتین دنیا، بچوں کی دنیا) ماہانہ رسائل ہیں۔ان رسالوں کی طباعت اور اس کے مواد کو دیکھ کر ہی اس کے معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قومی کونسل سے بچوں کے لیے ایک ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' شائع ہوتا ہے۔ اس شمارے کو بچوں کی نفسیات کے مطابق سجانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ماہنامہ بچوں کی دنیا کا کوئی بھی نیا یا پرانا شمارہ اٹھا کر دیکھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مدیر اور رسالے کے دیگر ذمے داران کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ بچوں کی دلچسپی کے تمام سامان مہیا کرائے جائیں۔ بچوں کی دنیا میں بچوں کی کہانیاں، نظموں کے علاوہ بچوں کی پینٹنگ کو بھی شائع کیا جاتا ہے۔اس رسالے کے علاوہ جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان میں بھی کئی نوعیت کی کتابیں ہیں۔

قومی کونسل نے بچوں کے ادب پر مختلف نوع کی کتابیں شائع کی ہیں۔ان کتابوں میں کہانیاں اور نظموں کے مجموعے تو ہیں ہی بچوں کے اندر سائنسی رجحانات کو فروغ دینے کی خاطر قومی اردو کونسل نے کئی ایسی کتابیں شائع کی ہیں جن کا براہ راست تعلق سائنسی علوم سے ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی احرار حسین کی کتاب 'عظیم سائنس داں' ہے۔ احرار حسین نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں دنیا کے تیس بڑے اور عظیم سائنس دانوں کا تعارف اور ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔مصنف نے جن سائنس دانوں پر گفتگو کی ہے ان میں گیلیلیو گیلی لائی (1564-1642)، آئیزک نیوٹن (1642-1727)، مائیکل فیراڈے (1791-1867)، ٹومس الوا ایڈیسن (1847-1931)، جگدیش چندر بوس (1858-1937) وغیرہ نہایت اہم ہیں ۔ان کے کاموں کا نہایت خوبصورتی کے ساتھ جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

'باتوں باتوں میں سائنس' کے مصنف عبد الودود

بچوں کے لیے کہانیوں کی کتابیں

انصاری ہیں۔انھوں نے مکالمے کے انداز میں چاند،سورج،شبنم، بجلی وغیرہ کی انفرادیت اور اس کی پہچان کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

محمد خلیل کی شناخت ان ادیبوں میں سے ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی بچوں کے ادب کوفروغ دینے میں صرف کردی۔ انھوں نے بچوں کے لیے سائنسی مضامین اور کہانیاں لکھی، جنھیں پڑھ کر بچوں کے اندر سائنس سے رغبت پیدا ہو۔ 'حیوانات کی دلچسپ دنیا' محمد خلیل کی ایک اہم ترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ہندوستان میں پائے جانے والے چند اہم جانوروں اور پرندوں کے بارے میں مضامین تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے ہمیں ایک جانب جہاں مختلف جانوروں کے بارے میں علم ہوتا ہے وہیں دوسری جانب ہم اپنے ماحول کے لیے ان کی ضرورت کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ محمد خلیل نے 39 قسموں کے جانور اور پرندوں کا ذکر کیا ہے جن کی نسلیں ہندوستان سے ختم ہوچکی ہیں۔محمد خلیل نے اپنی کتاب کے ذریعے یہ کوشش کی ہے کہ بچوں کے ساتھ ہم بڑے بھی انسان، جانور اور درخت کا آپس میں پائے جانے والے گہرے رشتے کو سمجھیں اور ماحولیات میں توازن قائم کرنے کی کوشش کریں۔

قومی اردو کونسل سے بچوں کے ادب کے حوالے سے انصار احمد معروفی کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ان کتابوں میں صحت وتندرستی کی ضرورت اور ماحولیات کی اہمیت پر توجہ دی گئی ہے۔ انصار احمد معروفی کی چھ کتابیں ایسی ہیں جو صحت اور ماحولیات پر مبنی ہیں۔ان تمام کتابوں کی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے صحت وتندرستی کے حوالے سے بچوں کے ذہن کو بیدار کرنے کی خاطر نظموں کا سہارا لیا ہے۔سائنسی نظموں کا یہ مجموعہ موسم، پھل، صحت، طب، سائنس، اور مہینوں کی اہمیت کو شاعری کے ذریعہ پیش کرتا ہے تاکہ ایک طرف جہاں بچے اپنے اطراف میں ہونے والی تبدیلیوں سے روبرو ہوں وہیں شعری ذوق بھی ان کے اندر پیدا ہو۔

انصار احمد معروفی نے اپنی کتاب 'یہ آب و ہوا' میں انسانی زندگی کے لیے ضروری آب و ہوا اور نائٹروجن گیس کی زیادتی سے پڑنے والے نقصانات کو بھی شعری پیرائے میں پیش کیا ہے۔

ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ آکسیجن انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے، یہی نہیں ہمیں اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ نائٹروجن گیس ایک طرف جہاں انسانی زندگی کے لیے نقصان دہ ہے وہیں دوسری جانب پیڑ پودے

کے لیے بے حد مفید ہے۔ انصار احمد معروفی نے اپنی کتاب میں 'نائٹروجن' کے عنوان سے بھی ایک نظم شامل کی ہے۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ انصار احمد معروفی نے 'یہ زمین'، 'یہ پیڑ پودے'، 'یہ بدن کے حصے'، 'یہ جسم و جان' کے عنوانات سے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتابیں اس لیے اہم ہوجاتی ہیں کیونکہ مصنف نے شعری قالب میں سائنسی موضوعات کو پیش کیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچے ان کتابوں سے استفادہ کرسکیں اور ان کے اندر سائنس سے رغبت پیدا ہو۔

انیس الحسن صدیقی نے بھی قومی کونسل کے لیے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں خلا اور دوسرے سیاروں کے متعلق اہم مضامین شامل ہیں۔ انیس الحسن صدیقی کی ایک کتاب 'خلا میں ہندوستانی پروگرام کی جھلکیاں' ہے۔ سماجی و اقتصادی مفاد کے لیے حکومت ہند نے کئی اہم پروگرام چلا رکھے ہیں، ان میں سے ایک اہم خلائی سائنس اور تکنیک کی نشو نما کو فروغ دینے کے لیے 1972 میں ایک خلائی شعبہ قائم کیا گیا تھا۔ انیس الحسن صدیقی نے اپنی کتاب کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان مضامین میں 'خلائی پروگرام کا مقصد، خاکہ اور اس کی اشاعت'، 'ہندوستانی قومی سیارچہ (انسٹ) تنظیم'، 'ٹی وی کے ذریعہ تعلیم'، 'خلائی نشو نما کے لیے بنیادی ڈھانچہ' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مصنف نے کتاب کے آخری حصے میں فرہنگ اور حوالہ جات کے علاوہ تصاویر بھی شامل کی ہیں۔ مصنف نے بچوں کی تربیت کا خیال رکھتے ہوئے مشقی سوالات 'آپ نے کیا سیکھا' کے عنوان سے ہر باب کے تحت چند سوالات قائم کیے ہیں تاکہ بچے ان موضوعات کو پڑھتے ہوئے سنجیدگی کا مظاہرہ کریں ساتھ ہی انھوں نے اس کتاب سے کتنا سیکھا اس کا اندازہ ہو سکے۔

بچوں کے اندر زبان و ادب کے ساتھ سائنسی شعور کو پیدا کرنے کی خاطر کونسل نے نہایت اہم کتاب 'فلکیاتی بستہ' تیار کیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف بھی انیس الحسن صدیقی ہیں۔ 'فلکیاتی بستہ' کا مطلب ان آلات کا مطالعہ ہے جن کی مدد سے آسمان میں موجود اجرام پر غور و فکر کیا جاسکے ساتھ ہی ہمارے روز مرہ کی زندگی میں استعمال ہونے والی چیز مثلاً کاغذ کی ردّی وغیرہ کے استعمال سے ہم کیا کیا بنا سکتے ہیں۔

> کونسل نے ایسی کتابوں کو ترجیح کے ساتھ شائع کیا جو زبان و ادب کی ترویج کے ساتھ نئے قاری کو بھی پیدا کرے، یوں تو کونسل نے ہر صنف پر کتابیں شائع کی ہیں مگر پچھلے چند برسوں میں کونسل نے بچوں کے ادب پر خاص توجہ صرف کی ہے۔ چونکہ بچے ہماری قوم و ملت کے اثاثہ ہیں لہذا ان کی بہتر تربیت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

مصنف نے بچوں کے اندر شعور پیدا کرنے کے لیے ایک تجربہ بھی پیش کیا ہے جس کا اطلاق کرکے بچے اس بات سے واقف ہوسکیں گے کہ سورج کی روشنی کے سات رنگ ہمیں کیوں نظر نہیں آتے اور آخر کیا وجہ ہے کہ ہم سورج کی ایک روشنی یعنی سفید ہی رنگ کو دیکھ پاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ستارے دن کے وقت میں نظر کیوں نہیں آتے جیسے سوالات قائم کر اس کو تجربات کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

بچوں کے لیے شاعری کی کتابیں

انیس الحسن صدیقی کی ایک کتاب 'کہکشاں کیا ہے؟' کو بھی قومی کونسل نے شائع کیا ہے۔اس کتاب میں مصنف نے کہکشاں کیا ہے، اس کی درجہ بندی، برج قوس کا بازو کیا ہے، کہکشاؤں کے جھرمٹ کیا ہیں؟ وغیرہ جیسے 13 مضامین شامل ہیں۔مصنف نے کہکشاں اور اس سے متعلق مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔انیس الحسن صدیقی کی ایک کتاب 'گیلیلیو کی کہانی ان کی زبانی' ہے۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے مصنف نے خود نوشت کے پیرائے میں پیش کیا ہے، کتاب کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف خود ہی اپنی زندگی اور تجربات کو پیش کر رہا ہے۔اس کتاب میں گیلیلیو کی زندگی اور ان کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔کتاب کے آخر میں مشق سوالات کے ذیل میں بچوں کے لیے چند سوالات قائم کیے گئے ہیں۔قومی اردو کونسل نے سائنسی موضوعات کے ساتھ دیگر موضوعات پر بھی کتابیں شائع کی ہیں۔ یہاں چند کتابوں کے نام، مع مصنف درج کیے جا رہے ہیں۔

بچوں کی مسکان (سیدہ فرحت)، 24 مختصر کہانیاں (عارف نقوی)، آؤ گیت گائیں (شبنم کمالی)، آؤ سمندر کی سیر کریں (محمد شمس الحق)، اچھی چڑیا (محمد شفیع الدین نیر) آدم زاد پری لوک میں (ضمیر درویش) ایک دن کا بادشاہ (اطہر پرویز)، ایک نائی اور رنگساز کا قصہ (اطہر پرویز) اغوا اور دوسری کہانیاں (منظور عثمانی)، ایک پرانا دوست (فرحت عزیز)، اخبار کی کہانی (غلام حیدر)، احمقوں کی جنت (شریف احمد)، ایک پہاڑی پر اسکول (محمد علیم)، ایک سہانی صبح باغ کی سیر اور دیگر ڈرامے (محمد طاہر)، انجان ملکوں کے کھوجی (ثریا جبین)، انوکھی کہانیاں (محمد قاسم صدیقی)، بچوں کا باغ (ظفر کمالی)، بابر نامہ (ظہیر الدین محمد بابر)، بچوں کے ڈرامے (اظہر افسر)، بچوں کے لیے حالی (صالحہ عابد حسین)، بینک کی کہانی (غلام حیدر)، بچوں کی نظمیں (جگن ناتھ آزاد) بیربل کی شوخیاں (ثریا جبیں)، بے زبانوں کی دنیا (حیدر بیابانی)، بے زبان ساتھی (وکیل نجیب)، بھیڑیا (تسکین زیدی)، بھکاری راجا (کلیم اللہ)، بھوت پریت (قومی اردو کونسل) بجلی کی کہانی (نجمہ نقوی)، چار بہرے آدمی (نجمہ نقوی)، چلو چاند پر چلیں (انیس الحسن صدیقی)، فٹ بال کی کہانی (راج نارائن راز) گاندھی اہنسا کا سپاہی (محمد حسین قدوائی)، گاؤں میں بندر آگئے (محمد فرحت عزیز) وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جن میں کہانیاں، تراجم، نظموں کے مجموعے شامل ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو بچوں کی

ذہنی سمجھ کو سامنے رکھ کر تیاری کی گئی ہیں۔

قومی کونسل کی کتابوں کی فہرست دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اردو زبان و ادب کی ترویج کے ساتھ نئے قاری کو پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے، اور اس سلسلے میں بطور خاص بچوں کا ادب اور ماہنامہ بچوں کی دنیا کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ کونسل سے وابستہ یا کونسل کو قریب سے جاننے والے اہل علم اس بات سے پوری طرح واقف ہوں گے کہ کونسل نے ایسی کتابوں کو ترجیح کے ساتھ شائع کیا جو زبان و ادب کی ترویج کے ساتھ نئے قاری کو بھی پیدا کرے، یوں تو کونسل نے ہر صنف پر کتابیں شائع کی ہیں مگر پچھلے چند برسوں میں کونسل نے بچوں کے ادب پر خاصا توجہ صرف کی ہے۔ چونکہ بچے ہماری قوم و ملت کے اثاثہ ہیں لہذا ان کی بہتر تربیت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے

بچوں کے لیے لکھی جانے والی کتابوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر کتاب میں تصویریں بھی ہوں یا یوں کہیں کہیں کہ تصویروں کے ذریعے بھی کہانی یا دیگر چیز کو پیش کیا جائے تو اس کا اثر بچوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ قومی اردو کونسل نے ایسی کئی کتابیں شائع کی ہیں جن میں تصویروں کے ذریعے کہانی کی تفہیم کرائی گئی ہے۔ ایسی کتابوں میں سونامی کا دوست، اشوک کی چتن، چڑیا اور راجا، پسند، ہاتھی اور پانی کی ٹنکیاں، بگلا اور کیکر، بوڑھا اور کوا، چنکو اور وائٹ اور بھوت وغیرہ کو بطور خاص پیش کیا جاسکتا ہے۔ قومی کونسل نے بچوں کے لیے کہانیوں کی جو کتابیں شایع کی ہیں ان میں زیادہ تر کتابیں تراجم ہیں۔ مگر نظمیہ کتابوں میں زیادہ تر کتاب طبع زاد ہیں۔ کونسل سے جن لوگوں کی طبع زاد کہانیاں شائع ہوئیں ان میں صالحہ عابد حسین (انوبا اور کالا کنواں) اطہر پرویز (ایک دن کا بادشاہ)، نور الحسنین (گڈو میاں)، قاضی مشتاق احمد (سچی کہانیاں، نیا کلینڈر اور دوسری کہانیاں)، رام آسرا راز (دل چسپ کہانیاں)، ضمیر درویش (آدم زاد پری لوک میں)، اور منور جعفا (اڑنے والا گیدڑ، لمبو اور موٹو) وغیرہ۔ جب کہ گلزار نے سلسلہ وار انداز میں بچوں کی کہانیاں لکھی ہیں، جیسے: بوسکی کا پنچ تنتر حصہ اوّل تا پنجم، بوسکی کی گنتی، بوسکی کا کوا نامہ، بوسکی کی گپیں، بوسکی کے کپتان چاچا، اور کڑوی کہانیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کونسل نے تراجم بھی شائع کیے ہیں۔ ان تراجم میں ملکی اور غیر ملکی زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔ جن لوگوں نے ملکی اور غیر ملکی زبانوں سے ترجمہ کر کے اردو کے دامن کو وسیع کرنے کی کوشش کی ہے ان میں ڈاکٹر اطہر پرویز، پروفیسر ظفر احمد نظامی، صفدر حسین، عتیق مظفر پوری، کلیم اللہ، انیس اعظمی، نجمہ نقوی، صفدر نقوی، خسرو متین، اقبال مہدی، سید پرویز، زاہدہ خاتون، شمیمہ بیگم، تسنیمہ زیدی، سید منصور آغا، سید شاہ ناز عباس، محمد علیم، پریم نارائن، کے پی رائے زادہ، ابن مجمدار اور مدوٹنڈن وغیرہ کے نام نمایاں طور پر لیے جاسکتے ہیں۔

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قومی اردو کونسل نے دنیائے اردو کو بچوں کا بیش قیمت سرمایہ عطا کیا ہے۔ تمام اصناف کی کتابوں کی اشاعت کو خوبصورت اور دیدہ زیب بنانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ بچوں کی دلچسپی کے لیے رنگین تصاویر کے ساتھ شائع کیا ہے، تاکہ بچے جلد اس جانب متوجہ اور مائل ہوسکیں۔

■

Naushad Manzar
Editor Adabi Miras
A-33/2 Johri Farm
Gali No.: 6
New Delhi- 110025

نظم

مسٹر چیونگم

اسداللہ

ان سے ملیے یہ ہیں مسٹر چیونگم
منھ میں اپنے رکھ لو ان کو
دانتوں سے پھر کچلو ان کو
چکھ لو پر نہ نگلو ان کو
چکھنے سے نہ ہوں گے کم
ان سے ملیے یہ ہیں مسٹر چیونگم

بچے سب ان کے دیوانے
چلے ہیں سارے ان کو کھانے
جان کے بنتے یہ انجانے
ان کو کوئی نہیں ہے غم
ان سے ملیے یہ ہیں مسٹر چیونگم

لال ہرے اور پیلے ہیں
کپڑے بھی بھڑ کیلے ہیں
نٹ کھٹ چھیل چھبیلے ہیں
مزہ ہے ان کا یا سرگم
ان سے ملیے یہ ہیں مسٹر چیونگم

فروری 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

■

Asadullah
30, Gulistan Colony
Near Pande, Amrai Lawnes
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

شمشاد احمد راضی

اہل علم کی عزت علم کی بدولت ہے

سچی عظمت و شوکت علم کی بدولت ہے
کائنات میں عزت علم کی بدولت ہے
اہلِ حق کی ہر ندرت علم کی بدولت ہے
اعتقاد کی دولت علم کی بدولت ہے
رب سے دور کرتی ہے آدمی کو لاعلمی
ذوالجلال سے نسبت علم کی بدولت ہے
بے ثمر درختوں کا قدرداں بھی ہے کوئی
اہلِ علم کی عزت علم کی بدولت ہے
خلوتوں میں کھو جانا علم و فن کی دنیا میں
یہ حسیں حسیں ساعت علم کی بدولت ہے
شانِ بندگی، طاعت، آدمیت و سیرت
فہم و آگہی حکمت، علم کی بدولت ہے
رب کی یاد میں 'راضیؔ' جذب و کیف کا عالم
عابدوں کی یہ حالت علم کی بدولت ہے

■

Shamshad Ahmad
Kanchan Gali, Madanpura
Chiraiyakoat Road
Mau Nath Bhanjan - 275101 (UP)
Mob.: 9235079714

پاس ہمارے نہ آئے کورونا

عبدالرزاق دل کھولاپوری

عبدالرزاق دل کھولاپوری کا تعلق ضلع امراوتی مہاراشٹر سے ہے۔ بچوں کے لیے نظمیں، کہانیاں، افسانے اور مضامین لکھتے رہے ہیں۔ ان کے تین مجموعے شکر پارے، اسکول کی رونق اور وطن کے چراغ کے عنوان سے شائع ہوچکے ہیں۔ یہ تینوں مجموعے بچوں کے لیے ہیں۔ وطن کے چراغ کو مہاراشٹر ساہتیہ اکادمی کا انعام بھی مل چکا ہے۔ 1960 سے ادب سے جڑے ہوئے ہیں اور مقتدر مجلّات میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

اتنی شکتی ہمیں دینا داتا
پاس ہمارے نہ آئے کورونا
مات دیں اس کو ہر حال میں ہم
آج پھر ایسا وردان دینا

احتیاط اس میں بچو! رکھیں ہم
حکم کا سب کے پالن کریں ہم
ایک دوجے کے بھی بیچ بچو!
ایک میٹر کا انتر رکھیں ہم
ہے یہی آج ہر اک کا کہنا
پاس ہمارے نہ آئے کورونا

بار بار ہاتھ صابن سے دھوئیں
ہاتھ دھوئے بنا کچھ نہ چھوئیں
ناک، کان اپنے آنکھیں اور چہرہ
ہاتھ صابن سے دھوکر ہی چھوئیں

مودی جی کا ہے جنتا سے کہنا
پاس ہمارے نہ آئے کورونا

ڈاکٹر، نرسیں اور یہ پولس دَل
سب کی خدمت میں رہتے ہیں ہر پل
نہ بچاتے ہیں دامن نہ آنچل
ڈھونڈتے ہیں وہ کٹھنائی کا حل

ہے یہ دل کھولاپوری کی رچنا
پاس ہمارے نہ آئے کورونا

■

Abdur Razzaq Dil Kholapuri
Muqam wa Post: Kholapur
Taullaqa: Bhatkoli
Distt.: Amravati - 444802
Mob:7304485318

بھارت کی تنویر ہے تم سے

نوشاد مومن

نوشاد مومن کا تعلق کولکاتا مغربی بنگال سے ہے۔ وہ بینک کی ملازمت سے وابستہ ہیں۔ اردو کے معروف شاعر، ادیب اور ناقد ہیں۔ ایک ادبی رسالہ 'مژگاں' کے نام سے شائع کرتے ہیں جسے علمی حلقوں میں اعتبار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کے لیے ماہنامہ 'نیا کھلونا' کے عنوان سے ایک رسالہ شائع کررہے ہیں۔ ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ بچوں کے ادب سے ان کی خاص دلچسپی ہے۔ انھوں نے اپنے رسالے 'مژگاں' کا 'ادب اطفال' نمبر بھی شائع کیا تھا جو بہت مقبول ہوا۔

پیارے پیارے بچّے آو
ننھے منے تارے آؤ
طلحہ حمزہ بیٹے آو
سب کے راج دلارے آو

قوموں کی تقدیر ہے تم سے
خوابوں کی تعبیر ہے تم سے
ملت کی تصویر ہے تم سے
بھارت کی تنویر ہے تم سے

لکھنا پڑھنا نام کمانا
محنت سے تم جی نہ چرانا
استادوں کی خدمت کرنا
اور بڑوں کی عزت کرنا

پیارے پیارے بچّے آو
ننھے منے تارے آؤ
طلحہ حمزہ بیٹے آو
سب کے راج دلارے آو

جھوٹ کبھی نہ ہرگز کہنا
سچائی پر قائم رہنا
اچھی باتیں غور سے سننا
غیبت سے تم دور ہی رہنا

حق کے رستے پر ہی چلنا
باطل سے تم یوں نہ ڈرنا
خواہ ہو تم کو دار پہ چڑھنا
باتیں میری ذہن میں رکھنا

■

Dr. Naushad Momin (Naushad Ali Ansari)
Chief Editor 'Naya Khelaona' Kolkata- 21B,
Alimuddin Street
Kolkata- 700016 (West Bengal)

والدین

شفیق الدین شایاں

شفیق الدین شایاں کا تعلق مغربی بنگال سے ہے۔ وہ بنیادی طور پر تجارت پیشہ ہیں مگر شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بہت سی نظمیں بھی لکھی ہیں اور اس تعلق سے ان کی ایک کتاب 'بچوں کے میٹھے بول' قابل ذکر ہے۔ یہ نصاب میں بھی شامل ہے۔ ان کی دوسری کتاب 'انمول حروف' کے عنوان سے زیر طبع ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کی تخلیقات ماہنامہ 'منفرد'، روزنامہ 'اخبار مشرق'، روزنامہ 'راشٹریہ سہارا'، روزنامہ 'عوامی نیوز' وغیرہ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

تم عزت کرو اپنے ماں باپ کی
ہے رتبہ بڑا ان کا پیروں سے بھی
سدا ان سے جھک کر کرو گفتگو
نصیحت کو ان کی رکھو روبرو
صدا اپنی ان سے نہ اونچی کرو
جو کہنا ہو ان سے ادب سے کہو
انھیں چھوڑ کر کچھ نہ ہے بندگی
انھی سے ہے شاداب یہ زندگی
دعاؤں میں ان کی اثر ہیں بہت
سمندر ہیں، ان میں گہر ہیں بہت
ہے جنت بھی امی کے پاؤں تلے
یہ جنت کی کنجی ہیں ابا بھلے
سدا ان کا کرتے رہو احترام
ملے گا تمھیں اس سے اعلیٰ مقام
کبھی ان کو ناراض ہونے نہ دو
جہاں تک بھی ہو ان کی خدمت کرو
فقط میری خاطر نہیں یہ کلام
ہے شایاں سبھی کے لیے یہ پیام

■

Shafique Uddin Shayaan
C/o Koo-e-Adab
295/2/M/A.P.C Roadkal-9 (WB)
Mob.: 9330558938

نظم

زبان

یاسین زاہد

یوں تو چھوٹی سی اک زباں ہے تو
دل کے جذبوں کی ترجماں ہے تو

تجھ سے ظاہر خیال ہوتے ہیں
حل، خرد کے سوال ہوتے ہیں

کیا خدا نے حصار بخشا ہے!
تجھ کو دانتوں کے بیچ رکھا ہے

تجھ کو دی ہے خدا نے گہرائی
اور بخشی ہے تابِ گویائی

بول اٹھتی ہیں تجھ سے تحریریں
اور نکلتی ہیں تجھ سے تقریریں

دشمنوں کو قریب لاتی ہے
بگڑے کاموں کو تُو بناتی ہے

رنج اور غم میں کام آتی ہے
اپنا کردار تو نبھاتی ہے

تیری گفتار کیا سہانی ہے
تجھ سے تہذیبِ زندگانی ہے

رنگ اپنا بدل بھی سکتی ہے
تو کتابوں میں ڈھل بھی سکتی ہے

جو تجھے با کمال کرتے ہیں
کام وہ بے مثال کرتے ہیں

ذہن و دل تک رسائی ہے تجھ میں
ہاں، مگر کچھ برائی ہے تجھ میں

دامنِ صبر چھوڑ دیتی ہے
عہد و پیمان توڑ دیتی ہے

بے ضرورت بھی بول دیتی ہے
بھید لوگوں کے کھول دیتی ہے

نفرتوں کو بڑھا بھی سکتی ہے
تو دلوں کو دکھا بھی سکتی ہے

جس کی لمبی زبان ہوتی ہے
اس کی خطرے میں جان ہوتی ہے

تیرے شر سے سبھی پناہ مانگیں
اور خدا سے یہی دعا مانگیں

شکل و صورت بھلے ہی کیسی ہو
آدمی کی زبان اچھی ہو

■

Mohd Yasin Sk. Abdullah
Gulzar Pura, At. Post: Pimpalgaon Raja
Taluka: Khamgaon
Distt.: Buldana- 444306 (Maharashtra)

نذیر فتح پوری

بچپن کی کہانیاں

میرے بچپن کی الگ الگ کہانیاں ہیں۔ ایک کہانی میری 'غریبی' کی ہے۔ ایک کہانی میری 'بچہ مزدوری' کی ہے۔ ایک کہانی میری 'تعلیم' کی ہے۔ ایک کہانی میرے بچپن کے مطالعے کی ہے۔ ٹھیک ہے تعلیم اور مطالعے کی دونوں کہانیاں ایک ساتھ بیان کردیتا ہوں۔ میں جب فتح پور شیخاواٹی راجستھان اپنے گاؤں کے عیدگاہ اسکول میں داخلے کے لیے گیا تو میری عمر سات آٹھ سال کی تھی۔ اس لیے میرا ٹیسٹ لے کر مجھے براہِ راست تیسرے درجے میں داخلہ دے دیا گیا۔ اس سے پہلے میں نے درگاہ حاجی نجم الدین چشتیؒ میں ناظرہ قرآن شریف پڑھ لیا تھا۔ کچھ مہینوں تک حاجی وزیر دھوبی اسکول میں بھی میں نے اردو اور ہندی کی کچھ کتابوں سے روشنی حاصل کی تھی۔ محلّہ قریشیان میں واقع مولانا آزاد اسکول میں بھی کچھ ماہ کے لیے میں نے حاضری درج کرائی تھی۔ اسی اسکول میں سب سے پہلے میں نے علامہ اقبال کی مشہور نظم 'لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری' پڑھی بھی اور سنی بھی۔ اس نظم کا طرز مجھے ہمیشہ یاد رہا۔ آج بھی میرے موبائل میں یہ نظم 'رنگ ٹون' کی صورت میں موجود ہے۔ جب بھی کوئی مجھے فون کرتا ہے تو اس نظم کا پہلا شعر اپنی پوری طرز کے ساتھ میرے کانوں میں گونجنے لگ جاتا ہے اور مجھے اپنے بچپن کے زمانے میں سنی ہوئی نظم یاد آنے لگتی ہے۔ اقبال کی اس نظم نے مجھے آج 75 سال کی عمر میں بھی اپنے بچپن سے دور نہیں ہونے دیا۔ یہ نظم مجھے زندگی کے پہلے سبق کی طرح آج بھی حوصلہ دیتی ہے۔

اسلامیہ اسکول عیدگاہ میرے مکان کے سامنے ہے۔ میں نے اس اسکول میں اپنی تعلیمی زندگی کے تین سال گذارے۔ یہاں میں نے درسی کتابوں میں جو نظمیں پڑھیں۔ ان کے کچھ ٹکڑے مجھے آج بھی یاد ہیں۔

ایک نظم ہندی کی کتاب میں تھی۔

''کھڑا ہمالیہ بتا رہا ہے''۔عنوان تھا۔ اس کا آخری شعر یہ تھا۔

کھڑا رہا جو اپنے پتھ پر لاکھ مصیبت آنے میں

ملی سپھلتا اس کو جگ میں جینے میں مرجانے میں

اردو میں ایک نظم 'ایماندار لڑکا' تھی جس کا ابتدائی شعر اس طرح سے تھا۔

ایک لڑکا تھا بڑا ایماندار

آزمائش ہو چکی تھی بار بار

یہ نظم مجھے آج بھی یاد ہے۔لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ شاعر کا نام معلوم نہیں۔

ہندی کی ایک کتاب میں میں نے پہلی بار دوہے پڑھے تھے۔ بعد میں ان دوہوں کے طرز پر میں نے بہت سے دوہے لکھے۔

اور 'کرموں کا محصول' عنوان سے اپنے دوہوں کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا۔ایک دوہا اس طرح تھا۔

رحیمن دھاگہ پریم کا مت دیو چھٹکائے

ٹوٹے سے پھر نہ ملے، ملے گانٹھ پڑجائے

اردو کی ایک کتاب میں 'ہماری گائے' عنوان سے ایک نظم پڑھی تھی۔

رب کا شکر ادا کر بھائی جس نے ہماری گائے بنائی

جب راجستھانی علاقے میں بارش نہیں ہوتی تو ماسٹر صاحبان، ہم بچوں کو ساتھ لے کر جنگل میں جاتے اور آسمان کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے۔

اے مولیٰ کر کرم تیرا حکم کر آبِ باراں کو

صبر اب اٹھ گیا میرا حکم کر آبِ باراں کو

اس نظم کے کئی حصے مجھے آج بھی یاد ہیں۔

مجھے کچھ کچھ یاد ہے کہ درجہ پنجم میں حالی کی مسدس میں نے پڑھی تھی۔ لیکن یہ بات مجھے یاد نہیں کہ کس نے مجھے ان دنوں ماہ نامہ 'کھلونا' پہلی بار دیا تھا۔ مجھے اس میں ایک باتصویر کہانی 'نسطور اور مولوی صاحب' بہت پسند آئی تھی۔ میں نے اس کہانی کے بہت سے حصے پڑھ لیے تھے۔کہانی یہ تھی کہ نسطور ایک جن کا بیٹا انسانی روپ میں مولوی صاحب کے مدرسے میں بچوں کے ساتھ پڑھتا تھا۔نسطور بہت ذہین تھا۔ پھرتیلا بھی تھا۔مولوی صاحب کو نسطور پر کچھ کچھ شک ہونے لگا تھا۔مولوی صاحب نے ایک دن نسطور سے کہا۔

''بیٹا! نسطور! وہ سامنے والی الماری میں رکھی سیاہی کی دوات تو دینا۔''

نسطور نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہی ہاتھ بڑھا کر سیاہی کی دوات الماری سے اٹھائی اور ہاتھ بڑھا کر مولوی صاحب کے ہاتھ میں تھمادی۔

نسطور کا اتنا لمبا ہاتھ دیکھ کر تمام بچے سہم گئے۔مولوی صاحب کا اندازہ ٹھیک نکلا۔نسطور کا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ جنات کی قوم سے تھا۔''

مجھے اس کہانی کا اب اتنا ہی حصہ یاد ہے۔ 70 سال پہلے پڑھی ہوئی یہ باتیں آج بھی کچھ کچھ یاد ہیں۔اس سے آپ میری ذہانت اور خداداد صلاحیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسلامیہ اسکول عیدگاہ سے درجہ پنجم پاس کر کے نکلا تو پھر کسی اسکول کا دروازہ نہیں دیکھا۔اور اس کے بعد میرا بچپن محنت مزدوری کے گرد و غبار میں گم ہو گیا۔

بارہ تیرہ سال کی عمر میں والد صاحب کے ساتھ مہاراشٹر کے تعلیمی شہر پونہ میں آگیا۔اس تعلیمی شہر سے ہماری تعلیم کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا البتہ ہم نے تعمیری کام میں حصہ لینا شروع کر دیا۔یعنی عمارت سازی کے کام میں والد صاحب نے ہم کو لگوادیا۔ پونے کے تاریخی کالج 'دکن کالج' کی نئی عمارت کا

کام چل رہا تھا۔ اسی میں ہم بارہ روپے ماہانہ اجرت میں معماری کا کام سیکھنے لگے۔ دوسرے بچے کالج میں پڑھائی کے بعد ڈاکٹر بنے، انجینئر بنے، اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔اور ہم اس کالج سے معمار یعنی راج مستری بن کر نکلے۔ اسی دوران قدرت نے ہمارے ہاتھ میں قلم تھمادیا۔ ہمیں اردو ٹھیک سے نہیں آتی تھی۔ ہم نے اردو کتابوں کا مطالعہ کیا۔ پھر جاسوسی ادیب ابنِ صفی ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ ہم نے ابنِ صفی کی کتابیں پڑھ کر نثر لکھنا سیکھی۔ ان دنوں ہم نے ایک مشہور کتاب 'اسیرِ مالٹا' پڑھی ،مولانا صادق صدیق سردھنوی کا مشہور زمانہ ناول 'آفتاب عالم' پڑھا۔ان کا دوسرا ناول 'سیف اللہ' بھی پڑھا، ایک چھوٹی سی کتاب 'فاروق اعظم' پڑھی۔شاید یہ شبلی نعمانی کی کتاب تھی۔ پرکاش پنڈت کی مرتب کردہ کتاب 'اردو شاعری کے سات رنگ' پہلی بار پڑھی۔اسی کتاب کے مطالعے نے ہمیں شاعر بنایا۔ان کتابوں کے مطالعے کا زمانہ ہمارے بچپن ہی کا زمانہ تھا۔

> پونے کے تاریخی کالج 'دکن کالج' کی نئی عمارت کا کام چل رہا تھا۔ اسی میں ہم بارہ روپے ماہانہ اجرت میں معماری کا کام سیکھنے لگے۔ دوسرے بچے کالج میں پڑھائی کے بعد ڈاکٹر بنے، انجینئربنے، اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔اور ہم اس کالج سے معمار یعنی راج مستری بن کر نکلے۔ اسی دوران قدرت نے ہمارے ہاتھ میں قلم تھمادیا۔ہمیں اردو ٹھیک سے نہیں آتی تھی۔ ہم نے اردو کتابو ں کا مطالعہ کیا۔ پھر جاسوسی ادیب ابنِ صفی ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ ہم نے ابنِ صفی کی کتابیں پڑھ کر نثر لکھنا سیکھی۔

جب ہماری عمر نے جوانی کی طرف قدم رکھا تو پھر ہم باقاعدہ ادیب اور شاعر بن کر ابھرے۔ ابتدائی دنوں میں خاتونِ مشرق کے مدیر مولانا عبداللہ فاروقی نے اپنے رسالے کے ذریعے ہمیں بہت آگے بڑھایا۔اس کے بعد ہم نے 1981 میں اپنا خود کا رسالہ جاری کیا جو آج بھی سہ ماہی 'اسباق' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ مختلف موضوعات پر اب تک ہماری 100 کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ہم نے بچوں کے لیے بھی نظمیں کہیں اور کہانیوں کے ساتھ دوناول بھی لکھے۔بچوں کے لیے ہماری کہانیوں کی کتاب 'میرا دیش مہان' پر ہمیں ساہتیہ اکادمی نے قومی ایوارڈ سے بھی نوازا۔

آج 75 سال کی عمر میں بھی ہم نے لکھنا پڑھنا نہیں چھوڑا۔ اس وقت جب ہم آپ سے مخاطب ہیں ہمارا بڑا آپریشن ہوا ہے۔ ابھی ہماری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔لیکن ہمارا چہرہ دیکھ کر لوگوں کو ہماری بیماری کا یقین نہیں آتا۔ بہت پہلے ہم نے ایک شعر کہا تھا۔اسی پر ہم اپنی کہانی ختم کرتے ہیں۔

ابھی تو ماں کی دعا کا سرور باقی ہے
مری حیات کے چہرے پہ نور باقی ہے

جاتے جاتے بچوں کے لیے ماں کے تعلق سے ایک شعر اور یاد آگیا۔

ماں ہے تو زندگی ہے خوشی ہے بہار ہے
ماں کا وجود رحمتِ پروردگار ہے

■

Nazeer Fatehpuri
Editor Asbaque
Saira Manzil, 230/B/102
Viman Darshan , Sanjay Park
Lohegaon Road
Pune- 411032 (Maharashtra)

شیخ سعدی شیرازی کی دو مایہ ناز کتابیں
’گلستاں‘ اور ’بوستاں‘

رئیس صدیقی

جس طرح ’پنچ تنتر‘ کی کہانیاں سارے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی مشہور ہیں، اِسی طرح شیخ سعدی شیرازی کی فارسی زبان میں دو کتابیں گلستاں اور بوستاں بھی ایران کے علاوہ، ترکستان، تاتار، افغانستان، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور دوسرے کئی مشرقی و مغربی ملکوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

’پنچ تنتر‘ کی کہانیوں اور شیخ سعدی کے قصوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ’پنچ تنتر‘ کی کہانیوں کے کردار حیوان یعنی درندے، چرندے، پرندے وغیرہ ہیں، جبکہ گلستاں اور بوستاں کی کہانیوں کے کردار ہم اور آپ جیسے انسان ہیں۔

گلستاں اور بوستاں کے معنی ہیں: پھلواری، باغیچہ، گل زار، چمن وغیرہ۔ بوستاں کے سارے قصے منظوم ہیں یعنی شعروں میں دس باب میں بیان کیے گئے ہیں جب کہ گلستاں نثر میں آٹھ باب میں لکھی گئی ہے لیکن ہر قصے کا بنیادی پیغام یا سبق اشعار میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

شیخ سعدی کا اصلی نام شیخ شرف الدین، لقب مصلح اور تخلص سعدی تھا۔ شیراز وطن ہونے کی نسبت سے وہ شیرازی لکھتے تھے۔

شیخ سعدی شیرازی 1210 میں ایران کے مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے اور 1292 میں یہیں اُن کا انتقال ہوا۔ ان کے والد، شیخ عبداللہ شیرازی بہت نیک دل آدمی تھے۔ انھوں نے سعدی کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی لیکن سعدی کی کم عمری میں ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی ماں، فاطمہ بھی بہت نیک خاتون تھیں۔ انھوں نے بھی اپنے بیٹے کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔

اس زمانے میں شیراز میں بہت بڑے بڑے عالم و فاضل موجود تھے۔ اسکول اور کالج بھی تھے مگر ملک کی سیاسی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس لیے سعدی بغداد چلے گئے اور اس وقت کی مشہور یونیورسٹی ’نظامیہ‘ میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم شروع کی۔ انھوں نے اس دور کے بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں، مثلاً علامہ ابوالفرج، امام ابن جوزی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی جیسے عالی مرتبت لوگوں کے ساتھ تیس سال تعلیم وتربیت حاصل کرنے میں گذارے۔

شیخ سعدی شیرازی کو سیر و سیاحت کا بھی بہت شوق تھا۔ وہ برسوں اپنے وطن سے دور رہے اور عرب، چین، ترکستان وغیرہ ملکوں کا دورہ کرتے رہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ایشیا اور افریقہ کے مختلف ملکوں کی سیر و سیاحت میں گزرا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان بھی آئے اور چند دن سوم

ناتھ کے مندر میں یا اس کے آس پاس قیام کیا لیکن جس انداز سے اس واقعے کو شیخ سعدی شیرازی نے 'بوستان' کے آٹھویں باب میں لکھا ہے، اس سے اس واقعہ نے افسانے کی صورت اختیار کرلی ہے۔

سیر و سیاحت کے دوران، شیخ سعدی کو بہت سی تکلیفیں اور پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔ ڈاکوؤں کا سامنا بھی ہوا اور فاقے بھی کرنے پڑے۔ اس طرح اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گزار کر وہ اپنے وطن شیراز پہنچے اور وہاں رہ کر لکھنے کے علاوہ لوگوں کو اخلاقی تعلیم بھی دیتے رہے۔

لگ بھگ بیاسی سال کی عمر پانے کے بعد یہ عظیم فارسی شاعر، مصنف، مدرس، فارسی زبان و ادب اور انسانیت کا خدمت گار اس فانی دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔ سعدی کا مزار دلکشا سے کچھ فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں ایک بہت بڑی عمارت میں ہے۔

شیخ سعدی شیرازی کی جادو بیانی کی شہرت ان کی زندگی میں ہی تمام ایران، ترکستان، تاتار، افغانستان اور ہندوستان میں پھیل گئی تھی۔ تقریباً سات سو سال سے ان کتابوں کی تعلیم ان ملکوں میں آج بھی جاری ہے۔

'گلستاں' اور 'بوستاں' اخلاقیات پر ایسی دو کتابیں ہیں کہ فارسی زبان میں کوئی کتاب ان سے زیادہ مقبول نہیں ہوئی۔ بڑے بڑے فارسی دانوں نے ان کی عزت کی۔ بادشاہوں نے ان کتابوں کو اپنی حکومت کا دستور العمل بنایا، شاعروں نے ان کی سادگی اور فصاحت و بلاغت کے آگے اپنا سر خم کیا۔

'گلستاں' اور 'بوستاں' کی وجہ سے شیخ سعدی شیرازی دنیا کے خاص مشہور لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ خاص طور سے ان کی نثر میں لکھی کتاب 'گلستاں' کا شمار دنیا کی چند مشہور و مقبول کتابوں میں ہوتا ہے کیونکہ یہ کتاب اخلاقی تعلیم کا سرچشمہ ہے۔

مشرق اور مغرب کے بہت سے قلم کاروں نے سعدی کی زندگی اور فن پر کتابیں اور تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔ ان میں سے چند قابل ذکر نام یہ ہیں۔ حالی، شبلی، مرزا حیرت، رضا زادہ شفق، براؤن اور ٹی جانسٹن وغیرہ۔

'گلستاں' اور 'بوستاں' کے قصے بچوں، جوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کے لیے یکساں مفید ہیں۔ ان کتابوں کی سبق آموز اور دلچسپ کہانیاں پڑھنے سے ہماری سوجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا ہے اور زندگی میں روزمرہ کام آنے والے معاملات میں رہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'گلستاں' اور 'بوستاں' کا مشرق و مغرب کی ہر بڑی زبان میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ کہیں یہ 'وِزڈم آف سعدی' (Wisdom of Sadi) کے نام سے پڑھی جاتی ہیں تو کہیں شیخ سعدی کے قصے کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی کا نام جس طرح ایشیا اور افریقہ میں مشہور ہے، اسی طرح پورے یورپ اور امریکہ میں بھی ان کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ اسی لیے دنیا کی ہر زندہ قوم نے ان کتابوں کا، خاص طور سے 'گلستاں' کا اپنی اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

میں بھی آج آپ کو شیخ سعدی شیرازی کے کچھ قصوں کا بنیادی پیغام مختصراً پیش کر رہا ہوں، جس کو اپنا کر ہر شخص ایک اچھا انسان بن سکتا ہے۔

- 'علم' دنیا کی ساری دولت سے بہتر ہے کیونکہ علم کے بغیر ساری شان و شوکت ادھوری ہے۔
- جس نے علم حاصل کیا، لیکن اس پر عمل نہیں کیا، وہ بالکل اُس کسان کی طرح ہے، جس نے کھیت کو جوتا، مگر اس میں بیج نہیں بویا۔

- کوئی بھی آدمی خاندان اور دولت کے سبب بڑا نہیں ہوجاتا۔علم وفن اور عقل وادب سے بڑا ہوتا ہے۔
- علم کو عزیز رکھنا، برائی کا جواب بھلائی سے دینا، غصہ پی جانا، بڑوں کا ادب کرنا، مہذب، تعلیم یافتہ اور بڑے ہونے کی نشانی ہے۔
- کسی کا دل مت دکھاؤ۔دل دکھانا سب سے بڑا گناہ ہے۔
- ماں باپ، استاد اور بڑوں کا کہنا ماننا ہمارا فرض ہے۔
- بڑوں کی باتوں اور ہدایت پر عمل کرنا مفید ہے۔
- سچے آدمی کا ہر شخص دوست ہوتا ہے، اس کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔
- جھوٹے آدمی کی سچ بات پر بھی یقین نہیں کیا جاتا ہے۔
- جو جھوٹ نہیں بولتا، وعدہ خلافی نہیں کرتا، لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچاتا، اس کے سب دوست ہوتے ہیں۔
- اپنا وعدہ پورا کرو تاکہ تم پر سبھی دوست اور دشمن بھروسا کریں۔
- دوسروں کا نقصان اور اپنا فائدہ چاہنا حیوانیت ہے۔
- اپنی عزت بڑھانے کے لیے اپنی تعریف کرنا اپنے کو گرانا ہے۔
- کتاب کی صحبت، ہر صحبت سے بہتر ہے۔کتاب سے دوستی بہترین دوستی ہے۔
- کسی کی باتیں کرتے وقت بیچ میں بولنا بدتمیزی ہے۔ فضول یا بلا وجہ باتیں کرنا نقصان دہ ہے۔
- دشمن سے لڑنے جھگڑنے کے بجائے دوستی کرنا بہتر ہے۔
- بے رخی، تند مزاجی اور سختی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے جب کہ نرمی اور میل جول سے محبت بڑھتی ہے۔
- دوسروں کی غلطی معاف کرنا اور اپنی غلطی تسلیم کرنا ہمت اور بہادری کی بات ہے۔
- دوسروں کی برائی کرنا، عیب جوئی کرنا اور بات بات میں قسم کھانا بری عادت ہے۔
- کوئی بھی کام سوچے سمجھے بغیر مت کرو۔جو کام کرو، وہ پورا کرو، کوئی خاص کام کرنے سے پہلے بڑوں سے مشورہ کرنا فائدہ مند ہے۔
- عزت کی موت بدنامی کی زندگی سے بہتر ہے اس لیے برے کاموں سے بچو اور اچھے کام کرو۔
- یہ ضروری نہیں کہ جس کی صورت اچھی ہے، اس کی سیرت بھی اچھی ہو۔
- اچھا دوست بہت مشکل سے ملتا ہے۔
- جو شخص اچھی صحت اور طاقت کے زمانے میں نیک کام نہیں کرتا، وہ کمزوری کے دنوں میں پچھتاتا ہے۔
- کسی پر اتنی سختی نہ کرو کہ وہ تم سے باغی ہوجائے اور نہ اتنی نرمی کرو کہ وہ تم سے گستاخی کرنے لگے۔
- جو راز تم چھپانا چاہتے ہو، وہ اپنے جگری دوست کو بھی نہ بتاؤ کیونکہ ممکن ہے وہ کبھی تمھارا دشمن ہوجائے اور پھر تم کو نقصان پہنچائے۔
- اگر دو شخص ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور تم دونوں سے ملتے ہو، تو ان سے ایک دوسرے کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہو کہ اگر کبھی ان دونوں میں دوستی ہوجائے تو تمھیں شرمندہ ہونا پڑے۔
- جو تم نہیں جانتے، اس کو پوچھنے میں شرم نہ کرو۔
- بزرگوں کی نصیحت نہ ماننا، دنیا کی سب سے بڑی غلطی ہے۔

[جون 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف شائع ہوچکا ھے۔]

■

Rais Siddiqui
Bungalow No.:2, Rahat Kada
14, Green Valley Enclave, Airport Road
Bhopal - 462030
Mob.: 9810141528

والدین اور اساتذہ سے بچوں کا باہمی رشتہ

احسان عالم

احسان عالم کا تعلق سیتامڑھی بہار سے ہے۔ انھوں نے ایم ایس سی، ایل ایل بی، بی ایڈ اور پی ایچ ڈی (اردو) کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ الحرا پبلک اسکول دربھنگہ میں پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شاعر، مبصراور مضمون نگار کی حیثیت سے ان کی پہچان ہے۔ تقریباً 18 کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں تعلیم اور تعلیمی تصورات، مطالعۂ کتب، مولانا ابوالکلام آزاد اور نظریۂ تعلیم، طبیب، طب اور صحت قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے لیے بھی لکھتے رہے ہیں۔ 'بچوں کے سنگ' کے عنوان سے ان کی ایک کتاب 2019 میں شائع ہوچکی ہے۔

جستجو یعنی نئی چیزوں کی کھوج انسانی زندگی کا اساسی پہلو ہے۔ یہ جستجو انسان سے کبھی بڑے کارنامے بھی کروا ڈالتی ہے۔ اپنے بچپن سے ہی یہ خوبی انسان میں پیدا ہوجاتی ہے۔ ہر شے کے لیے تجسس، چیزوں سے متاثر ہونے کی صلاحیت، نتیجہ اخذ کرنے اور نقل کرنے کی قابلیت اپنے نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔ یعنی انسان اپنے بچپن میں بہت حساس ہوتا ہے۔ بچپن میں وہ جن چیزوں کو دیکھتا ہے اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ جن چیزوں کا وہ استعمال کرتا ہے ان کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ اپنے بڑوں سے طرح طرح کے سوالات کرتا ہے۔ کچھ سوالات بڑوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ ازروئے فطرت کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ قبل از وقت سن شعور کی پختگی کو پہنچ جاتا ہے تب وہ آگے چل کر اپنی ذات میں ایک مثال ایک تاریخ بن جاتا ہے۔ بچوں کی ان ہی خوبیوں پر جو لوگ نظر رکھتے ہیں وہ بچوں کے لیے نظمیں، کہانیاں، کچھ ہدایات کے زریں نمونے اور سائنسی ادب تحریر کرتے ہیں۔ بچے اپنی زندگی میں اونچا مقام

حاصل کرسکیں اس کے لیے دو شخصیتیں کافی اہم ہیں۔ ایک والدین اور دوسرے اساتذہ۔ اگر بچوں سے والدین اور اساتذہ کا باہمی رشتہ قائم رہے تو ان کی زندگی میں یقینی طور پر نکھار پیدا ہوگا۔

ایسا سمجھا جاتا ہے کہ استاد کا کام بچوں کو صرف تعلیم دینا ہے اور تربیت کی ذمہ داری والدین کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تعلیم اور تربیت دو مختلف چیزیں نہیں بلکہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہیں۔ جدید تعلیمی نفسیات کے ماہروں نے اسے کچھ اس طرح سے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے کہ تعلیم بغیر تربیت کے اور تربیت بغیر تعلیم کے ادھوری ہے۔ اساتذہ اور والدین کا باہمی رشتہ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت اہم ہے۔ والدین کے لیے اس واسطے کہ وہ بچے کے اسکول کی مصروفیات اس کی تعلیمی ترقی، کھیل کے میدان میں اس کی کارکردگی، ساتھ ہی ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ ان کے روابط سے جانکاری حاصل کر سکیں۔ اساتذہ کے لیے یہ تعلقات اس لیے لازمی ہیں کہ وہ بچے کو مکمل طور پر جان اور سمجھ سکیں اور ان کی نجی زندگی کا کوئی رخ ان سے پوشیدہ نہ رہے۔ والدین استاد کو گھر میں بچے کے رویے، اس کے مزاجی رجحانات، اس کی عادات اور اس کی پسند ناپسند کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔ گھر میں ہونے والے مختلف واقعات وحالات اور حادثات بچوں کی جذباتی زندگی پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ استاد کا ان سب سے باخبر رہنا نہایت ضروری ہے۔ اساتذہ اور والدین کا باہمی رشتہ اس لیے بھی بے حد ضروری ہے کہ والدین بچے کا بہت قریبی علم رکھتے ہیں۔ دوسری جانب اساتذہ بچوں کی نفسیات کے بارے میں ماہرانہ علم رکھتے ہیں۔ لہٰذا دونوں کے ملنے اور تبادلۂ خیال کرنے سے ایسے نتائج مرتب ہوسکتے ہیں جو بچے کی زندگی پر خوشگوار اثر ڈالیں

اور جن سے بچے کے لیے مفید رہنمائی حاصل ہوسکے۔ استاد اور والدین دونوں کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح ڈھنگ سے ہوسکے۔ اگر والدین اور استاد دونوں ایک دوسرے کے لیے معاون ہوں اور وہ ایک دوسرے کے نظریات اور ایک دوسرے کی مشکلات کا علم رکھیں تو یہ کام یقیناً زیادہ احسن طریقے سے انجام پاسکتا ہے۔

تعلیم کا مقصد ایک مخصوص نصاب سے کچھ کورس رٹوا کر بچوں کو امتحان پاس کرانا ہوگیا ہے۔ یہ قطعی درست نہیں۔ استاد کا سب سے بڑا اور سب سے مقدس فرض یہ ہے کہ وہ بچے کی زندگی کو کڑے امتحان سے گزرنے کے لیے تیار کرے۔ اس تیاری کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ بچے کی علمی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی عملی زندگی پر بھی نظر رکھے۔ عملی زندگی پر نظر رکھنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ استاد کا تعلق بچوں کے والدین سے ہو۔ بچوں کے والدین بھی استاد کی پوری مدد کریں۔ اسکول میں استاد بہت تھوڑے وقت کے لیے بچوں سے ملتے ہیں اور اتنے کم وقت میں استاد اور شاگرد کے درمیان بے تکلف نہیں ہوپاتے۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچوں کی پوری زندگی استاد کے سامنے بے نقاب نہیں ہوسکتی۔ اگر والدین اور استاد میں ایک

ربط ہو تو استاد بچوں کی حقیقت سے آشنا ہو جائیں گے اور اسکول کے حرکات وسکنات بھی والدین کے سامنے آجائیں گے۔

استاد دنیا کا سب سے خوش نصیب شخص ہے۔ خوش نصیب اس لحاظ سے کہ اسے وہ فرض عطا کیا گیا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو دیا تھا۔ یعنی لوگوں کو تعلیم دینا اور دنیا کو علم کی روشنی سے منور کرنا۔ علم کا درجہ بہت بلند ہے۔ جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس علم کو دوسروں تک پھیلاتا ہے، اس کا مرتبہ یقیناً بہت ہی بلند ہے۔ جب استاد نہیں تھے تو دنیا میں جہالت اور تاریکی تھی۔ استاد نے اس تاریکی کو علم کی روشنی سے دور کیا۔ علم کی بدولت دنیا میں تہذیب وتمدن کی روشنی پھیلی۔ لوگوں میں رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کا سلیقہ آیا۔ ہر لحاظ سے ہر سطح پر ترقی آئی۔ چونکہ اس ترقی اور تہذیب کا سہرا استاد کے سر ہے اس لیے استاد کی اہمیت ہر انسان کے لیے مسلم ہے اور ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے استاد کا احترام کرے۔

اسلام میں استاد کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ہمارے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ استاد کی حیثیت روحانی باپ کی ہے اور اس کا حق اپنے شاگردوں پر اتنا ہے جتنا کہ کسی باپ کا حق اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ایک حرف بھی پڑھا دیا اس کا احترام لازم ہو گیا۔ اگر ایک حرف پڑھانے والے استاد کا مرتبہ اس قدر بلند ہے تو اس استاد کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس نے انسان کو نہ صرف علم کے زیور سے آراستہ کیا بلکہ اسے کامیاب زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا۔

گھر پر بچہ پورے طور پر آزاد ہوتا ہے اور والدین کے سامنے اس کی پوری زندگی، اس کی تمام حرکات وسکنات کھلی کتاب کی مانند ہوتے ہیں۔ بچوں کی گروہی خوبیاں گھر سے زیادہ اسکول میں نمایاں ہوتی ہیں جب کہ اسے بہت سے کلاس ساتھی اور ہم عصر کھیلنے کے لیے ملتے ہیں۔ استاد کو بچوں کی ایک بڑی تعداد کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے اور اسے بچوں کی گروہی جبلت سے فائدہ اٹھانا پڑتا ہے۔ بچے بہت کچھ آپس میں ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔ مل جل کر کھیلنا، خراب حالات میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا یہ سب عادتیں بچے اسکول میں سیکھتے ہیں۔

انسان ایک سماجی حیوان ہے۔ مل جل کر رہنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی بہت پہلے شروع ہوئی اور اس کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب انسان نے آنکھ کھول کر یہ دیکھا تھا کہ وہ انفرادی طور پر آفات ارضی و سماوی سے نپٹنے کے قابل نہیں ہے۔ انسان کی اجتماعی طاقت نے اسے یہ ہنر عطا کیا کہ تنہا رہنے میں نقصان ہے اور مل جل کر رہنے میں فائدہ ہے۔ اس فائدے کی امید نے اسے معاشرے کی تشکیل کرنے پر مجبور کیا۔ انسان جس معاشرے کا فرد ہوتا ہے اس پر معاشرے کی جانب سے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اسی طرح معاشرے پر انسان کے کچھ حقوق بھی ہوتے ہیں۔ انسان اگر ایک اچھا شہری ہے تو وہ ان حقوق وفرائض کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اسے پورا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ والدین اور اساتذہ کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ بچوں کو معاشرتی زندگی کے درست تصور سے آگاہ کرائیں اور انھیں اپنے معاشرے کا احترام کرنا سکھائیں۔ سماجی نفسیات اس چیز کی متقاضی ہے کہ بچوں میں اجتماعی جبلت کی درست تربیت ہو تاکہ وہ آگے چل کر اپنے اردگرد کی دنیا کے ساتھ صحیح طریقے پر گامزن ہو سکیں اور بڑے ہو کر اپنے ملک وقوم کی خدمت کر سکیں۔ ان کا شمار ایک کامیاب اور اچھے شہری کے طور پر ہو۔

■

Dr. Ahsan Alam
Principal, Al-Hira Public School
Darbhanga- 846004(Bihar)
Mob.: 9431414808

ابوامامہ رحمانی

معذوروں کی پریشانیاں

الٰہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

یقیناً یہ ہاتھ یہ پاؤں یہ آنکھ یہ زبان یہ وجودِ ہستی الغرض سارا نظامِ انسانی جو قدرت کی جانب سے ترتیب دیا گیا ہے ہمارے لیے دنیا کے تمام تر انعامات سے بڑھ کر ہے۔

آنکھ کی کیا قدر و قیمت ہے ہمیں کچھ نہیں معلوم، حقیقت حال کا علم اسی شخص کو ہوگا کہ جو اس نعمت سے محروم ہے۔

زبان کی اہمیت انسانی زندگی میں کس حد تک ہے یہ وہی شخص بتا سکتا ہے جسے اللہ رب العزت نے زبان نہ دے کر آزمائش میں مبتلا فرمایا۔

ہاتھ ہماری زندگی کا وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ اگر کسی سلیم العقل شخص کو ایک ہاتھ کے بدلے پوری کائنات بھی عطا ہوجائے تو بھی وہ اس بات کا کبھی قائل نہیں ہوگا کہ اسے ایک طرف دنیا کی بیش بہا نعمتوں سے نوازا جائے اور دوسری طرف اسے بے بس و لاچار معذورین کی صفوں میں داخل کردیا جائے۔

پاؤں کی کیا حیثیت ہے اس کی کیا خدمات ہیں کیا فوائد ہیں؟ وہی لوگ بتا سکتے ہیں جنھیں اس دنیوی زندگی میں جزء لا ینفک عضو سے محروم رکھا گیا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ہر اعتبار سے صحت منداور تندرست بنایا ہے۔

یقیناً ہم اس ذات باری کی نوازشات پر جتنی بھی تعریف کریں کم ہے یا یوں کہیں کہ ہماری کیا بساط ہے کہ ہم ادنی منہ مخلوق اس اعلی خالق کی کاریگری کو بیان کریں۔

ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو فطرتاً کسی نا کسی درجے میں معذور پیدا ہوئے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جو معذور ہیں ان پر کیا قیامت گذرتی ہے ان پر کیا پہاڑ ٹوٹتے ہیں؟

یہ ہمارا اخلاقی فریضہ ہے کہ ہم اپنے پاس پڑوس میں رہنے والے معذورین کی مدد کریں، ان کے پرسان حال بنیں ،انھیں یہ ہرگز محسوس نہ ہونے دیں کہ وہ معذور ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ہم جیسے تندرست لوگوں کو مصیبتیں پیش آتی ہیں تو انھیں بھی تو مصیبتیں پیش آتی ہوں گی۔

ایک شخص ہے سڑک پار کرنے کے لیے گھنٹوں گھنٹوں روڈ پر کھڑا ہے کیونکہ بیچارہ پیر سے محروم ہے۔

ایک شخص ہے ٹٹول ٹٹول کر گلی کوچوں سے ہوتا ہوا وسیع شاہراہ پر آکے بھٹک جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس دیکھنے کو آنکھ نہیں ہے۔

ایک شخص ہے جو اپنی بات دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے، اپنی پریشانیاں دوسروں کو بتانا چاہتا ہے۔ مگر وہ یہ سب کرنے سے عاجز ہے کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں۔

یہ تو وہ حالاتِ ظاہرہ ہیں جو ہم اور آپ آنکھوں دیکھا محسوس کرتے ہیں کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ اس کے علاوہ بھی ان معصوموں کے کیا کیا مسائل ہیں۔ کسی کے گھر پانی نہیں ہے، وہاں پانی کون لے جا رہا ہے۔ کسی کے گھر کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے وہاں کھانا کون پہنچا رہا ہے؟

کسی کے گھر بچے بھوک سے بے حال ہو رہے ہیں محض اس وجہ سے کہ وہ معذور ہیں سراپا درد کی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔

بچے ہیں پڑھائی کا شوق ہے، مگر ان کے پاس وسائل نہیں۔ ایسے روزمرہ کے کتنے مسائل ہوں گے جن کا صحیح علم اللہ ہی کو ہے۔

انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم جس طرح خود اپنی ذات اور پریوار کا خیال رکھتے ہیں اس سے کہیں بڑھ کر اپنے سماج

میں موجود معذورین اور مظلومین کا خیال رکھیں۔

بقول علامہ اقبال۔

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری
الٰہی! پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیاتِ جاوداں میری، نہ مرگِ ناگہاں میری!

شاعر مشرق ومغرب نے یہ اشعار اگرچہ اس تناظر میں نہیں کہے ہیں تاہم اگر ہم ان اشعار کو مظلومیت اور حوادثِ زمانہ کے نتیجے میں پیش آنے والے ان واقعات پر منطبق کرنا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا بہ الفاظ دیگر اگر یوں کہا جائے کہ یہ اشعار علامہ اقبال نے اسی موقعے پر انھیں کے حوالے سے کہے ہیں تو کہنا غلط نہ ہوگا۔

■

Abu Omama Rahmani
Darul Uloom Deoband
Distt.: Deoband - 247554(UP)

غضنفر اقبال

بچوں کی کہانیاں، اردو زبان کی بنیاد ہیں: منظور وقار

جناب منظور وقار ریاستِ کرناٹک کے مقبول ترین ادیب ہیں۔ ان کے ادبی اظہار کے کئی پہلو ہیں ان کی عرصہ دراز سے لکھی گئی کہانیوں کی کتاب 'ہوا محل' زیرِ اشاعت ہے۔ ماہنامہ بچوں کی دُنیا کے معصوم نو نہالوں کے لیے ایک گفتگو محترم منظور وقار صاحب سے کی گئی اس گفتگو کے چند اقتباسات بچوں کے مطالعے کی نذرہیں۔ (غ الف)

غضنفر اقبال : آپ کے خاندان کی قابلِ ذکر باتیں کیا ہیں؟

منظور وقار : میرے خاندان میں کسی نے علمی ادبی تعلیمی اور سائنسی میدان میں کوئی ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا جیسے میں قابلِ ذکر کارنامہ کہہ سکوں البتہ میرے تین لڑکے اور ایک لڑکی سافٹ ویئر انجینئر ہیں میرے بھائیوں کے لڑکے اور لڑکیاں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ سوائے میرے، خاندان میں کوئی ادیب نہیں ہے۔

غضنفر اقبال : آپ کا بچپن کیسا گزرا؟

منظور وقار : اسکول کے بعد دوستوں کے ساتھ گلی ڈنڈا، لٹو اور گوٹیاں (کانچ کی گولیاں) کھیلتے گزرا کیونکہ اس دور میں پرائمری اور ہائی اسکول کے بچے اسکول سے آنے کے بعد گلی ڈنڈا، لٹو اور گوٹیاں ہی کھیلتے تھے۔ پتنگ بھی بہت شوق سے اُڑاتے تھے۔

غضنفر اقبال : منظور وقار صاحب آپ اُردو ادب میں طنز و ظرافت نگار کی بنیادی شناخت رکھتے ہیں۔ آپ نے افسانوی اور غیر افسانوی نثر میں بہت لکھا۔ ادب اطفال کی طرف آپ کس طرح متوجہ ہوئے؟

منظور وقار : ہائی اسکول کے زمانے سے مجھے بچوں کی کہانیاں پڑھنے کا شوق رہا ہے جب میٹرک میں پہنچا تو اِس دور کے مشہور بچوں کے رسائل ماہنامہ کھلونا، ماہنامہ پیام تعلیم، ماہنامہ گل بوٹے، ماہنامہ نور کا مطالعہ کرنے لگا ڈگری کالج میں داخلہ لیا تو ماہنامہ امنگ مطالعہ کرنے لگا ان رسائل کا مطالعہ کرتے کرتے بچوں کی کہانیاں لکھنے لگا۔ بچوں کے لیے لکھی ہوئی میری پہلی کہانی ماہنامہ کھلونا (دہلی) میں سال 1986 میں شائع ہوئی تھی۔

غضنفر اقبال : ادب اطفال میں طنز و ظرافت کے پہلو

ملتے ہیں یا نہیں؟

منظور وقار: ادب اطفال کے تحت لکھی گئیں بے شمار کہانیوں میں طنز و ظرافت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ بچوں کے کلاسکی ادب کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا اکبر بیربل، تنلی رام، علاء الدین کا چراغ، ملا نصر الدین، یہ کہانیاں طنز و مزاح سے بھر پور ہیں۔

غضنفر اقبال : ادب اطفال کے آپ کن ادیبوں اور شاعروں کو پسند کرتے ہیں؟

منظور وقار: کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، سراج انور، دورِ حاضر کے ادبا میں رونق جمال، بانو سرتاج، وکیل نجیب، علیم صبا نویدی، نذیر فتح پوری، شاہ تاج، سلطان آزاد، محمد اکرام، ریحان کوثر بچوں کے لیے لکھنے والے قدیم شعرا میں سلام مچھلی شہری دور حاضر کے شعرا میں امجد حسین حافظ کرناٹکی مجھے پسند ہیں۔

غضنفر اقبال : کیا زندگی اور فن ایک ہیں؟

منظور وقار :فن زندگی کا آئینہ ہے زندگی کے بغیر فن کوئی معنی نہیں رکھتا فن سے مراد اگر ہم ادب کو لیں تو ادب حیاتِ انسانی کے ماتھے کا جوہر ہے!!!

غضنفر اقبال : بچوں کے لیے تحریر کردہ آپ کی کہانیاں کن کن رسائل اور انتخاب میں شائع ہوئی ہیں؟

منظور وقار : بچوں کے لیے تحریر کردہ میری کہانیاں ماہنامہ کھلونا (دہلی) ماہنامہ امنگ (دہلی) ماہنامہ نرالی دُنیا (دہلی) ماہنامہ امنگ (دہلی) ماہنامہ نور (رامپور)، ماہنامہ غبارہ (بنگلور) اور ماہنامہ بچوں کی دُنیا (دہلی) میں شائع ہوئی ہیں۔ معروف ادیب ڈاکٹر غضنفر اقبال کی بچوں کے لیے مرتب کردہ کتاب 'جوہی کی مالا' میں میری کہانی عقل مند ماں شامل ہے

غضنفر اقبال: مختلف اوقات میں آپ کی دلچسپیاں اور مشاغل کیا رہتے ہیں؟

منظور وقار : کتابوں اور رسائل کا مطالعہ دوستوں سے ملاقاتیں ادبی اجلاسوں اور سیمناروں میں شرکت ٹی وی پر مزاحیہ سیریل دیکھنا!!

غضنفر اقبال :عہد حاضر میں بچوں کی کہانیوں کا معیار کیسا ہونا چاہیے؟

منظور وقار : بچوں کے لیے لکھی جانے والی کہانیاں ہوں کہ مضامین عہد حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہوں دورِ حاضر جھوٹ حسد مکر و فریب اور دھوکہ دہی سے عبارت ہے بچوں کی کہانیاں چاہے عہد ماضی کے راجہ مہاراجہ یا بادشاہوں اور وزیروں کے پس منظر میں لکھی گئی ہوں یا کسی اور پس منظر میں لکھی گئی ہوں بچوں کی ایسی ذہن سازی کی جائے کہ بچوں کو جھوٹ حسد مکر و فریب سے نفرت ہونے لگے۔

غضنفر اقبال : کہا جاتا ہے کہ ادب اطفال کی تخلیق بڑوں کے ادب لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

منظور وقار: بچوں کے لیے لکھنا بڑوں کے لیے لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے کیونکہ بڑوں کے لیے لکھنے کے لیے ہمیں بڑا بننے کی ضرورت نہیں ہوتی برخلاف اس کے بچوں کے لیے جب ہم کوئی کہانی لکھنے بیٹھتے ہیں تو ہمیں بچہ بننا پڑتا ہے ورنہ ہماری کہانی ادب اطفال کی چوکھٹ سے نکل کر بڑوں کے لیے لکھی جانے والی کہانیوں میں ضم ہو جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

غضنفر اقبال : ادب اطفال سے قلم کار گریز کرتے ہیں اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں ؟

منظور وقار: بعض مشہور و معروف افسانہ نگار طنز و مزاح نگار اور نقاد شاید یہ محسوس کرتے ہوں اگر وہ بچوں کے لیے لکھیں گے تو کہیں ان کی ادبی شناخت گڈ مڈ نہ ہو جائے یا پھر انہیں بچوں کی کہانیاں لکھنے پر عبور حاصل نہیں!!

غضنفر اقبال: بچوں کے لیے کہانیاں لکھتے وقت آپ کن کن باتوں کا خیال رکھتے ہیں؟

غضنفر اقبال: میں بچوں کی کہانیاں لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ میری کہانیوں سے بچوں کے اخلاق سدھر جائیں انھیں اچھے برے کا فرق معلوم ہو جائے ہر بُرائی کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ یہ پیغام بچوں تک پہنچ پائے بچوں میں ظالم سے ٹکرانے اور مظلوم کی مدد کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے!!

غضنفر اقبال: بچوں کے لیے اچھی کہانیوں کی آپ کے نزدیک کیا خوبیاں ہیں؟

منظور وقار: کہانیوں کے مطالعے کے بعد بچوں میں ایمانداری سچائی بہادری شجاعت اور حب الوطنی کا جذبہ بیدار ہو۔

غضنفر اقبال: کیا آپ ادبی زندگی سے مطمئن ہیں؟

منظور وقار: میں اپنی قلمی کاوشوں سے ملنے والی عزت اور مقبولیت سے مطمئن ہوں ۔مطمئن ہونے کے باوجود میرا قلم خاموش نہیں ہے لکھنے اور اخبارات ورسائل میں چھپنے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے!!

غضنفر اقبال: آپ کے نزدیک بچوں کی کہانیاں لکھتے وقت مقصد اہم ہوتا ہے یا فن؟

منظور وقار: میرے نزدیک مقصد اور فن دونوں ہی اہم ہیں!!!

غضنفر اقبال: اب تک کی زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ؟

منظور وقار: میرے بارہ سالہ فرزند کی وفات میرے لیے ناقابلِ فراموش واقعہ ہے!!

غضنفر اقبال: بچوں کی کہانیاں کیا اُردو زبان کو زندہ رکھنے میں معاون ثابت ہوں گی؟

منظور وقار: اردو زبان کو زندہ رکھنے میں بچوں کی کہانیوں کا اہم رول رہا ہے سچ بات تو یہ ہے کہ بچوں کی کہانیاں ہی اُردو زبان وادب کی بنیاد ہیں!!

غضنفر اقبال: ریاست کرناٹک میں اس وقت بچوں کا کوئی رسالہ نکلتا ہے؟

منظور وقار: ریاست کرناٹک میں اس وقت بچوں کا کوئی رسالہ نکلتا ہے اور نا ہی بچوں کی کہانیاں لکھنے والا کوئی قلمکار موجود ہے ضیا جعفر بچوں کے لیے کہانیاں لکھا کرتے تھے بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ان کی ایک کتاب 'کہکشاں' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ ضیا جعفر کے انتقال کے بعد کوئی دوسرا نثر نگار بچوں کی کہانیاں لکھتا ہوا نظر نہیں آتا 1986 تا 1995 کے دوران میری آٹھ دس کہانیاں ماہنامہ کھلونا، امنگ، نرالی دُنیا اور نور میں شائع ہوئیں ایک لمبے عرصے کے بعد ماہنامہ غبارہ اور ماہنامہ بچوں کی دُنیا میں ایک ایک کہانی شائع ہوئی ہے پچھلے دو ماہ کے دوران بچوں کی کوئی چھ کہانیاں لکھ چکا ہوں بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ایک کتاب زیر اشاعت ہے جدید افسانہ نگار حمید سہروردی نے بھی بچوں کے لیے چند کہانیاں لکھی ہیں حال ہی میں ان کی کہانیوں کی کتاب 'حمید سہروردی اور بچوں کی کہانیاں' (انتخاب کار: ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی) عنوان سے منظر عام پر آئی ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ چودھری نے 'ادب

اطفال' کے موضوع پر نہ صرف پی۔ایچ۔ڈی کی تھی وہ بچوں کا رسالہ 'غبارہ' بھی شائع کرتی رہی ہیں ان کے انتقال کے بعد رسالہ بند ہو گیا ہے۔ ممتاز طنز و مزاح نگار ڈاکٹر حلیمہ فردوس اور ڈاکٹر خالد سعید نے بھی بچوں کے ادب پر کتابیں لکھی ہیں جواں سال ادیب ڈاکٹر غضنفر اقبال نے بچوں کے ادب پر مضامین لکھے ہیں۔ بچوں کے ادب پر ان کی ایک کتاب 'جوہی کی مالا' منظر عام پر آچکی ہے معروف صحافی و ادیب چاند اکبر کا آن لائن رسالہ گھومتہ آئینہ میں ہر ہفتے بچوں کا صفحہ 'بچپن' شائع ہوا کرتا ہے جس میں ملک کے معروف قلمکاروں کی کہانیاں اور مضامین شائع ہوا کرتی ہیں حافظ کرناٹکی بچوں کے شاعر کے طور پر عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ منیر احمد جامی نے بچوں کے لیے نظموں کی کتاب لکھی ہے۔ ظہیر رانی بینوری اور حشمت علی فاتحہ خوانی نے بھی بچوں کے لیے نظمیں لکھی ہیں۔ گلبرگہ کے شاعر صبیح حیدر صبیح مرحوم نے بھی بچوں کے لیے نظموں کی کتاب یادگار چھوڑی ہے۔ حمید سہروردی کے فرزند انجینئر خرم عماد بچوں کی کہانیاں لکھتے ہیں ان کی کہانیاں ہلال، امنگ، بچوں کی دُنیا، روشن ستارے میں شائع ہوئی ہیں!!!

غضنفر اقبال : آپ بچوں کی کہانیوں میں زبان و اسلوب کو اہمیت دیتے ہیں یا مواد و موضوع کو؟

منظور وقار: ہر صنف ادب کے لیے زبان و اسلوب کا معیار ضروری ہے مگر بچوں کی کہانیوں میں مواد اور موضوع کی اہمیت زیادہ ہے!!

غضنفر اقبال : آپ نے بچوں کی کہانیوں میں کن کن موضوعات کو اپنے فن کا حصہ بنایا ہے؟

منظور وقار: ایمانداری، سچائی، شجاعت، بہادری اور حُب الوطنی!!!

غضنفر اقبال : دورِ حاضر میں بچوں کو کہانیاں پڑھنے کی طرف راغب کرنے کے لیے آپ کے یہاں کیا لائحہ عمل ہے؟

منظور وقار: جہاں تک ہو سکے بچوں کو اسمارٹ موبائل فون اور ٹی وی پروگراموں سے دور رکھیں ان کے ہاتھوں میں بچوں کی کہانیوں پر مشتمل کتابیں اور رسائل تھمادیں کتابیں اور رسائل پڑھتے پڑھتے بچوں میں مطالعے کا ذوق پیدا ہو گا!!!

غضنفر اقبال : بچوں کی کہانیوں پر آپ کی زیرِ ترتیب کتاب کا کیا نام ہے؟

منظور وقار: میری زیر ترتیب بچوں کی کہانیوں کی اولین کتاب کا نام 'ہوا محل' ہے!!!

غضنفر اقبال : سوشیل میڈیا سے کیا آج کا فرد اپنا دامن بچا سکتا ہے؟

منظور وقار: دامن بچانے کی ضرورت نہیں اگر سوشیل میڈیا آپ کے لیے مفید ہے آپ کے اخلاق اور کردار نہ بگڑتے ہوں!!!

■

Dr. Ghazanfar Iqbal
"Saiban" Zubair Colony, Hagarga Cross,
Ring Road, Gulbarga - 585 104 (Karnataka)
Cell : 9945015964,

Manzoor Viqar
Yadulla Colony
Gulbarga 585 104 (Karnataka State)
Cell : 9731428416

باغبان ہارون رشید

سرفروشی

(اسٹیج پر ایک پرانے مکان کا منظر۔ ایک طرف ونگ کے قریب ایک پرانا ٹیبل جس پر پرانا لیمپ، کچھ اخبارات، کاغذات اور ایک پرانا ریڈیو رکھا ہے، ایک بوڑھی عورت قریب ہی بیٹھی ریڈیو پر خبریں سن رہی ہے)۔

ریڈیو: کارگل میں چل رہی جنگ میں اب تک چار سو نوجوان مارے جاچکے ہیں۔ ہمارے نمائندے . . .

دھیرے دھیرے آواز معدوم ہوتی ہے اور بوڑھی عورت پریشانی سے ٹہلنے لگتی ہے۔

مبصر: معزز ناظرین! یہ ایک فوجی کا گھر ہے، اس فوجی کا گھر جو برف کی وادیوں میں بسے، کارگل، دراس اور بٹالک جیسے سرحدی علاقوں میں اپنے قوم و ملک کی حفاظت کے لیے سر پر کفن باندھے لحہ بہ لحہ دشمنوں کی گولیوں کے رو بہ رو جارہا ہے۔ یہ اس مرحوم سپاہی حنیف الدین کی ماں ہے جو ایک فوجی سپاہی کی بیوہ بھی ہے۔ وہ ماں جس نے اپنے لخت جگر کی پرورش کر کے وطن کی سرحدوں پر موت کا سامنا کرنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ آج ہندو پاک جنگ کو تین ہفتے ہوگئے ہیں۔ یہ ماں اپنے بیٹے کے پیغام کا انتظار کررہی ہے۔ وہ منتظر ہے کہ یا تو اس کا بیٹا حفاظت کے ساتھ لوٹ آئے یا وطن کی راہ میں اس کے شہید ہونے کی کوئی خبر ہی آئے۔

(ایک خاتون داخل ہوتی ہے جس کے ساتھ ایک چھوٹی بچی ہے)

مبصر: کیا آپ سب جانتے ہیں یہ معصوم عورت کون ہے؟ یہ ہے اس وطن پرست سپاہی کی بیوی جو وطن کی حفاظت میں مصروف ہے۔ یہ عورت اپنے ساتھ اپنی معصوم سی بچی کو لیے اپنے شوہر کا انتظار کررہی ہے۔

عورت: امی جان! یہ خط ہے، ذرا اسے پوسٹ کروائیے۔

ماں: کہاں؟ حنیف کو لکھا ہے؟ (عورت شرما جاتی ہے) ٹھہر عقیل آجائے تو بھجوا دوں گی یہ خط۔

مبصر: یہ وہ خط ہے جو اس پاک دامن بیوی نے اپنے شوہر کو لکھا ہے۔ یہ خط محض ایک کاغذ نہیں۔ ایک معصوم کے دل کی آواز ہے۔ حنیف کی معصوم بچی کا پیغام ہے کیونکہ اس ماہ 21 تاریخ کو اس بچی کی پہلی سالگرہ ہے۔ یہ بچی منتظر ہے کہ اس کی پہلی سالگرہ پر اس کے ابو بھی موجود ہوں۔ وہ اصرار کر رہی ہے کہ "ابو! آپ میری سالگرہ پر آئیں گے نا۔ آپ ضرور آنا۔ ورنہ میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔" (بوڑھی ماں اپنی معصوم بہو کو حوصلہ دیتے ہوئے)

ماں: وہ ضرور آئے گا۔

مبصر: مگر ان کو کون بتائے کہ ان کا انتظار کبھی ختم نہیں ہوگا۔ انھیں کون بتائے کہ اس بوڑھی ماں کا سہارا دشمنوں کی گولیوں سے چھلنی ہوگیا ہے؟ کون بتائے انھیں کہ اس خاتون کا سہاگ ہزاروں ٹن برف میں دفن ہوگیا ہے، اس قربانی سے، اس شہادت سے بے خبر یہ لوگ حنیف کے واپس آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

(ایک نوجوان کی آمد یہ حنیف کا بھائی عقیل)

نوجوان: ماں! مجھے Army Entrance کا فارم بھرنا ہے۔ یہ رہا فارم! تم اس پر دستخط کر دو، تاکہ میں فوج میں شامل ہوسکوں۔ (ماں پریشان ہوجاتی ہے اور پریشانی میں ٹہلنے لگتی ہے۔ بیٹا کچھ دیر انتظار کرتا ہے)

نوجوان: ماں، حنیف بھائی کی کوئی خیر خبر نہیں۔ ان کا عزم ہے کہ ملک کی سرزمین سے دراندازوں کو باہر نکالے بغیر اپنے گھر کا خیال نہیں کریں گے اور میں بھی ان میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

حنیف کی بیوی: عقیل بھائی، ایک بھائی تو جنگ میں شامل ہے، تم بھی اگر چلے گئے تو یہاں کیا ہوگا؟

عقیل: بھابھی، ہمارے فوجی جان ہتھیلی پر رکھ کر، اپنے سروں پر کفن لپیٹ کر، کارگل، دراس اور بٹالک کی چوٹیوں کو سر کر رہے ہیں اور اپنے خون سے اپنی سرحدوں کو محفوظ کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے آج ہم ہندوستانیوں کا سر بلند ہے۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اس کام میں پیچھے رہوں؟ کیا مجھے میرے والد اور چچا کی طرح وطن کی راہ میں سر کٹانے کا موقع نہیں دیا جائے گا؟ حنیف کی بیوی: نہیں بھائی جان۔ امی نے اپنے سہاگ کو اپنے بھائی جیسے دیور کو قربان کر دیا۔ اب ایک بیٹا سرحد پر سینہ تانے آگے بڑھ رہا ہے۔ اب تمھاری کمی نہیں ہوگی وہاں۔

(ماں بہت گہری فکر میں ہے۔ اچانک وہ رک کر پلٹتی ہے)

ماں: عقیل، میرا فیصلہ ہے کہ تم، تم فوج میں شریک ہوجاؤ اور میرا ایک بیٹا شہید بھی ہوگیا ہوگا تو کیا ہوا؟ ایک اور بیٹا وطن پر قربان کرنے کے لیے میں نے جوان کر رکھا ہے۔

عقیل: (خوشی سے) ماں۔ میری ماں!

مبصر: یہ ہے ایک ماں، جس نے دھرتی ماں، مادر وطن کی حفاظت کے لیے اپنے دوسرے سہارے کو بھی داؤ پر لگا دیا ہے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے ■

Dr. Bagban Haroon Rashid
401, Bagum Peth, Ayesha Aziz Apts
Solapur - 2 (Maharashtra)

عروسہ فاروق

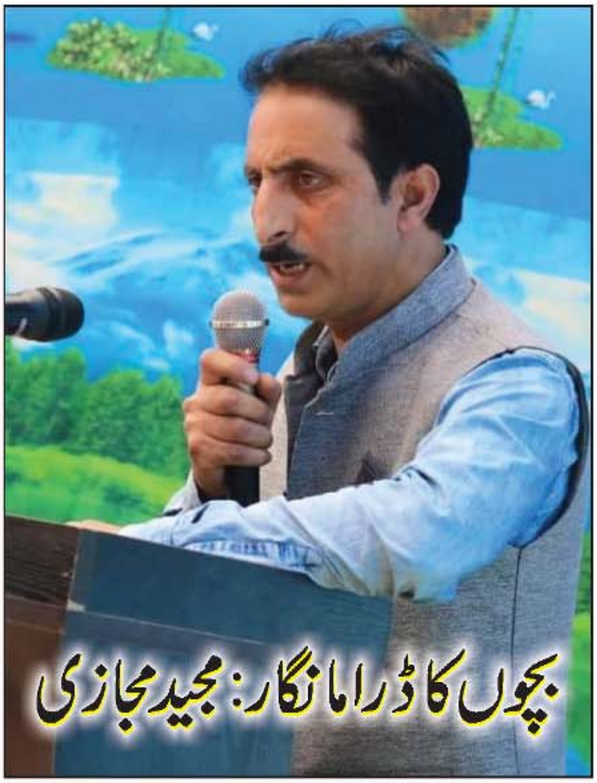

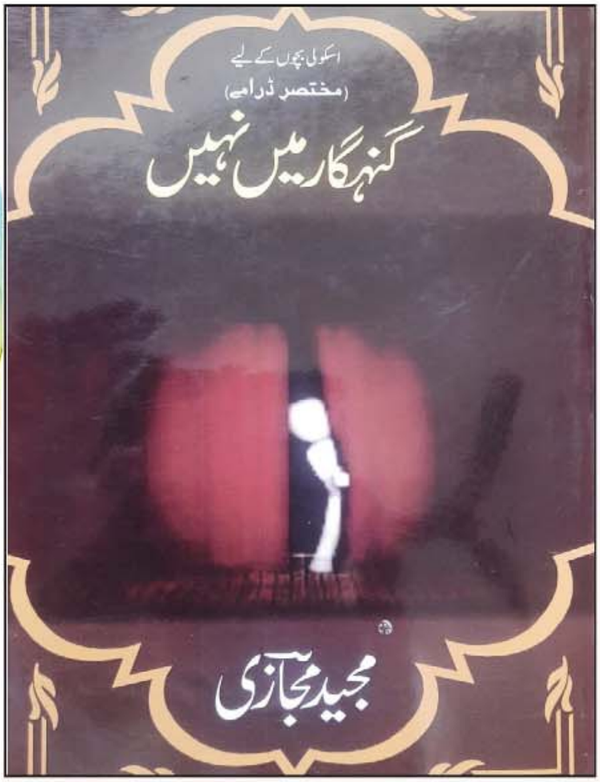

بقول ارسطو ''ڈراما انسانی عمل کی نقل ہے۔''

اردو ڈرامے کی روایت میں جموں و کشمیر کو اپنی ایک اہمیت حاصل ہے۔ ڈرامے پر پہلی کتاب 'ناٹک ساگر' کشمیر کے ادیب محمد بن عمر نور الٰہی کی لکھی ہوئی ہے، جس نے نہ صرف اردو ڈرامے کے لیے بلکہ ڈراما نگاروں کے لیے بھی راستہ ہموار کر دیا۔ کشمیر میں ڈرامے کی روایت کو آگے بڑھانے میں ریڈیو کشمیر، دوردرشن، کلچرل اکیڈمی وغیرہ کا اہم رول ہے۔ ریڈیو اور دوردرشن نے مختلف ادوار میں مختلف اقسام کے ڈرامے اسٹیج کر کے اردو ڈرامے کی روایت کو مضبوط کیا۔ جموں و کشمیر میں جن فنکاروں نے اس صنف کو فروغ دیا ہے ان میں علی محمد لون، سجاد حسین، نور شاہ، آنند لہر، ظہور الدین، راجہ یوسف، محمد امین بٹ وغیرہ شامل ہیں۔ کشمیر کے معاصر ڈرامہ نگاروں میں ایک اہم نام مجید مجاز کا ہے جو بیک وقت شاعر، افسانہ نگار، ترجمہ نگار، مضمون نگار اور ایک بہترین آرٹسٹ بھی ہیں۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ اپنی مادری زبان کشمیری پر بھر انھیں خاصی دسترس حاصل ہے، جس کی عمدہ مثال ان کے افسانوی مجموعے 'پھُلے گلُن ہنز' ہے۔ پروفیسر محی الدین حاجنی پر انھوں نے ایک مونوگراف اردو زبان میں ترتیب دیا ہے اور ڈراموں پر مشتمل کتاب 'گنہگار میں نہیں' 2018 میں قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے منظر عام پر آچکی ہے جس میں 11 ڈرامے شامل ہیں۔ مجموعے کے بیشتر ڈرامے Broadcast اور Telecast ہو چکے ہیں۔

زیر بحث ڈرامائی مجموعے میں بچوں کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ڈراما نگار نے ہر ڈرامے کی ابتدا سے قبل ڈرامے کا خلاصہ پیش کیا ہے تاکہ ڈراما پڑھتے یا اسٹیج کرتے وقت بچوں کے ذہن میں ایک خاکہ تیار ہو جائے۔ مجموعہ 'گنہگار میں نہیں' میں شامل پہلا ڈراما 'ایثار کا جذبہ' کے نام سے شامل ہے۔ ڈرامے میں قربانی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ سات مناظر

پر مشتمل یہ ڈراما 9 کرداروں کے ارد گرد گردش کرتا ہے جس کے مرکزی کردار 'عدنان' اور اس کی بیوی 'سارہ' ہے۔ ڈرامے کے منظر اول میں یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کے یہاں گھر کا چراغ (اولاد) نہ ہونے کی وجہ سے دونوں پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ہر طرح کے ڈاکٹروں کی دواؤں اور پیروں فقیروں کی دعاؤں سے مایوس اور نا امید ہو کر لوٹ آتے ہیں۔ اسی منظر میں عدنان اپنی بیوی سارہ سے کہتا ہے کہ دوسرے گاؤں میں کچھ دنوں پہلے ایک ایکسیڈنٹ میں میاں بیوی کی موت ہوگئی ہے۔ ان کے یہاں ڈیڑھ سال کا ایک اکلوتا بیٹا ہے اسے گود لے لیتے ہیں۔ سارہ کے دل کی مراد پوری ہوجاتی ہے۔ دونوں، بچے کو خوشی خوشی گھر لے کر آتے ہیں۔ اس کا نام 'شاہد' رکھا جاتا ہے۔ شاہد کو اس گھر میں ہر طرح کی خوشی میسر ہوتی ہے۔ آگے ڈرامے میں شاہد کو جوان ہوتا دکھایا گیا ہے۔ شاہداب یونیورسٹی جاتا ہے۔ گھر کا سارا ماحول خوشی سے جھوم رہا تھا کہ اچانک سارہ کو چکر آنے لگتا ہے۔ ڈاکٹر، عدنان کو مبارک باد کہہ کر باپ بننے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ کچھ مہینے بعد ان کے یہاں ایک 'شاکر' نام کا بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ دونوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ شاکر بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے۔ ڈراما نگار مجید مجازی بچوں کی نفسیات سے واقفیت رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ انھیں عورتوں کی زبان اور ان کی نفسیات پر بھی دسترس حاصل ہے۔ مرد سے قبل عورت کے یہاں برے خیالات جنم لیتے ہیں۔ اس کی مثال ڈراما نگار نے یوں پیش کی ہے:

سارہ: ''میری مانو شاہد سے کہو کہ اب یونیورسٹی نہ جائے۔''

عدنان: ''مگر کیوں''؟

سارہ: ''کیونکہ اب ہم اتنا خرچ برداشت نہیں کر پائیں گے''۔

عدنان: ''ایسا نہ کہو۔ وہ بھی تو ہمارا بیٹا ہے۔''

(ڈراما: ایثار کا جذبہ، ص 32)

سارہ کے دل میں برے خیالات تب سے پیدا ہونے لگتے ہیں جب ان کے یہاں شاکر نے جنم لیا۔ سارہ کو اس بات کا خوف تھا کہ شاہداب اس کے اکلوتے بیٹے شاکر کی جائیداد کا حصہ دار بنے گا لیکن شاہد کو جب اس معاملے کا علم ہو جاتا ہے تو وہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور سارہ کا اپنا بیٹا شاکر برے کاموں کا عادی ہوجاتا ہے۔ آگے ڈراما میں عدنان کی صحت خراب ہوجاتی ہے۔ عدنان کے دونوں گردے بھی خراب ہوجاتے ہیں۔ عدنان کی حالت ہر اعتبار سے بدتر ہوچکی تھی لیکن اسی اثنا میں ان کا گود لیا ہوا بیٹا شاہد اپنے سیکرٹری کے ساتھ داخل ہوجاتا ہے۔ شاہداب ایک کامیاب انسان بن گیا تھا وہ عدنان کو اپنا ایک گردہ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے ڈراما نگار نے ڈرامے کے اختتام کو پرتاثیر بنا دیا ہے۔

مجموعے میں شامل دوسرا ڈراما 'گیہوں کا دانہ' کے نام سے ہے۔ دراصل یہ ڈراما لیو ٹالسٹائی کی مشہور کہانی "The Green as big as a hen's egg" سے ماخوذ ہے لیکن ڈراما نگار نے اس کہانی کو ڈرامائی انداز میں پیش کر کے کہانی کو اور بھی دلچسپ و حسین بنا دیا ہے۔ ڈرامے کی شروعات اسٹیج پر آئے ہوئے دو بچوں کی آواز سے ہوتی ہے جو انڈا ہاتھ میں لیے ہوئے ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ جلد ہی ڈرامے میں ایک مسافر آتا ہے جو بچوں سے انڈا لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ بادشاہ اس نایاب چیز کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے اور وہاں بیٹھے لوگوں سے انڈے کے بارے میں پوچھتا ہے لیکن وہاں بیٹھے لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اس چیز کو نہیں پہچان سکا۔ کچھ وقت بعد ڈرامے میں تین بوڑھے نظر آتے ہیں۔ پہلا بوڑھا دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ بادشاہ اسے انڈا دکھا کر پوچھتا ہے جو جواباً کہتا ہے میرے والد

سے پوچھو، شاید انھیں معلوم ہو۔ پہلے بوڑھے کے باپ کو دربار میں پیش کیا جاتا ہے جو اپنے بیٹے سے زیادہ صحت یاب تھا لیکن اس نے بھی اس انڈے نما چیز کو نہیں پہچانا اور جواباً کہا میرے باپ سے پوچھو شاید انھیں معلوم ہو۔ دوسرے بوڑھے کے باپ کو دربار میں لایا گیا جو صحت میں اپنے بیٹے اور اپنے پوتے سے کافی بہتر تھا۔ اس بوڑھے نے پہچان کر کہا یہ گیہوں ہے جو ہم اپنے وقت میں ہر جگہ بویا کرتے تھے۔ لوگ حیران ہو گئے اتنا بڑا گیہوں لیکن بوڑھے نے انھیں اپنی باتوں سے مطمئن کیا اور درباریوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ اس وقت کے لوگ بہت محنتی اور اپنی کمائی سے مطمئن ہوتے تھے۔ آج کا انسان خوب کماتا ہے لیکن دوسروں کی کمائی سے جلتا رہتا ہے۔

دراصل ڈراما نگار نے پرانے اور آج کے دور کو ملانے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت کے لوگ حسد کے شکار نہ تھے۔ لوگ خوشی خوشی ایک دوسرے سے ملتے تھے لیکن آج کے زمانے کے لوگ ترقی یافتہ ہو کر بھی مطمئن نہیں ہیں۔ آج کا انسان اپنے ہاتھوں سے زیادہ مشینوں کا سہارا لیتا ہے۔ انسان ہر طرح سے دوسروں کا محتاج بن گیا ہے جس کی وجہ سے آج کے انسان کی صحت بھی کم عمری میں ہی جواب دینے لگتی ہے۔ ڈراما نگار نے اسے ڈرامائی انداز میں یوں پیش کیا ہے:

تیسرا بوڑھا : سرکار! آج کا انسان محنت سے جی چراتا ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے زیادہ مشینوں کا سہارا لیتا ہے، ہم اپنے زمانے میں اپنی محنت کی کمائی کھاتے تھے۔ ہر انسان خدا پر ایمان اور اپنی محنت پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اس لیے ہمارا بویا ہوا گیہوں اتنا بڑا ہوتا تھا اور ہماری صحت بھی اچھی رہتی تھی۔'' (ص50)

ڈرامہ 'پالی تھین جن' جیسا کہ عنوان سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈراما اینٹی پلاسٹک (Anti Plastic) یا یوں کہیے کہ پالی تھین کے خلاف لکھا گیا ہے۔ ڈراما نگار نے مختصر طور پر اس بات پر زور دیا ہے کہ کس طرح پالی تھین کے استعمال سے ہماری زمین خراب ہو جاتی ہے۔ ڈراما کچھ اس طرح ہے کہ

ایک گاؤں میں لوگ سرپنچ کے سامنے فکرمند ہو کر جمع ہوئے تھے۔لوگوں کا مطالبہ اتنا تھا کہ ان کی کھیت میں فصل نہیں اگ رہی ہے۔اسی طرح ڈرامے میں کچھ ماہرین لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ تمھاری زمین میں پالی تھین جن ہے جو فصل اُگنے نہیں دیتا۔ڈراما نگار قارئین اور ناظرین کو پالی تھین اور پلاسٹک کے خطرے سے آگاہ کرانا چاہتے ہیں۔ اس ڈرامے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ڈرامہ نگار خود اپنے ماحول کو صاف رکھنے اور پالی تھین جیسی خوفزدہ چیز سے بچانا چاہتے ہیں۔

انسان نے ترقی کی راہ پر خود کو برباد کیسے کیا اس کی مثال مجموعے میں شامل ڈراما 'گنہگار میں نہیں' سے ملتی ہے۔مجموعے کے نام پر مبنی یہ ڈراما تقریباً ان کے باقی ڈراموں پر حاوی ہے۔اس ڈرامے کو مختلف جگہوں پر اسٹیج بھی کیا گیا ہے۔یہ ایک المیہ ہے اس حوالے سے ڈراما نگار لکھتے ہیں:

''گنہگار میں نہیں' ڈراما میں مہلک ہتھیاروں کی دوڑ اور ہر طرف جنگ و جدال کی حالت سے متعلق ایک المیہ ہے کہ کس طرح ایک انسان دوسرے انسان کے لیے بربادی کے سامان پیدا کر رہا ہے'' (پیش لفظ: گنہگار میں نہیں)

ڈرامہ ٹریجڈی سے شروع ہوتا ہے۔ ہر طرف چیخنے چلانے کی آوازیں آتی ہیں۔ڈرامے کے پہلے منظر میں آتما کو دکھایا گیا ہے۔دراصل یہ ایک سائنسدان کی روح ہے جو دنیا کو تباہ و برباد ہوتا ہوا دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی ہے۔دوسری طرف ڈرامے میں ایک شیطان کی آواز سنائی دیتی ہے جو آتما کو اس کے بنائے ہوئے ہتھیاروں سے ڈراتی ہے۔ڈرامہ نگار نے دونوں کا مقابلہ ڈرامے میں جس انداز سے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ڈراما نگار نے ڈرامے میں بہت سے خطرناک ہتھیاروں کا ذکر بھی کیا ہے اور جاپان کے دو بڑے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی کا بھی تذکرہ کیا گیا۔ڈرامے میں آتما اپنی بنائی ہوئی مختلف چیزوں کا ذکر چھیڑتی ہے جس پر شیطان اسے ہر غلط فہمی سے دور کر کے اسے انسان کی اصل حقیقت دکھاتا ہے۔ڈرامے میں دونوں اسپتال کا رخ کر کے وہاں پڑے لوگوں کو دیکھتے ہیں جس پر آتما شیطان سے کہتی ہے کہ سائنس کی مدد سے ڈاکٹر انسان کو بچانے کے لیے آخری سانس تک کوشش کرتے ہیں:

آتما: دیکھا تم نے شیطان کہ کس طرح ایک مرتے ہوئے انسان کو ایک نئی زندگی مل گئی۔اب کیا خیال ہے تمہارا...

شیطان : ہاہاہاہا... اب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ تمھیں سائنس نے اندھا بنا دیا ہے۔تمھاری آنکھوں کی جگہ دو چمکتے پتھر لگے ہوئے ہیں۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس بیچارے کا ایک گردہ چرایا گیا ہے۔'' (ص 37-136)

بچوں کو صحیح راہ کی طرف گامزن کرنا ڈراما نگار مجازی کا اصل مقصد ہے۔تعلیم کے فوائد اور جہالت کے نقصانات سے بچوں کو آگاہ کرانا بھی ڈراما نگار کا ایک مقصد ہے۔مجموعے میں شامل ایک اور ڈراما 'ان پڑھ ڈیڈی' اسی موضوع پر لکھا گیا ہے۔ڈاکٹر عزیز حاجنی یوں لکھتے ہیں:

''مجازی نے اس مجموعے کے اکثر ڈراموں کے کردار اپنی مٹی سے چنے ہیں۔اس لیے قاری کو پڑھتے وقت کوئی الجھن یا دقت پیش نہیں آتی ہے''

مجموعی طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ مجید مجازی ریاست کے ایسے ڈراما نگار ہیں جو ادب اطفال کے لیے پہچانے جاتے ہیں۔

■

Orusa Farooque
Research Scholar, Dept. of Urdu
Kashmir University
Kashmir - 190006 (J&K)

رنگ برنگی سبزیاں

شاہ تاج

''**بھائی جان** آپ کیسے یہ گھاس پھوس کھا لیتے ہیں...؟ مجھ سے نہیں کھائی جاتیں یہ سبزیاں...! اور امی ہر دوسرے دن یہی پکا دیتی ہیں...! سب اعتراض کرتے ہیں لیکن آپ ہمارا ساتھ نہیں دیتے بلکہ مزے لے لے کر کھاتے ہیں... امی آپ کی مثال دیتی ہیں اور ہم مجبور ہو جاتے ہیں... اگر آپ ہمارا ساتھ دیں تو گھر میں یہ گھاس پھوس کبھی نہ پکے۔ آپ میری بات سن رہے ہیں نا...!'' عمر نے لمبی چوڑی تقریر کے بعد فراز کو ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہوں ں ں...! سن رہا ہوں'' فراز نے اتنا ہی کہا۔

''بھائی جان ہم سب نے طے کیا ہے کہ آج امی سے بات کی جائے کہ وہ سبزیاں نہ پکایا کریں...!'' دھیرے دھیرے فراست، عاقب اور زبیر بھی فراز کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ فراز نے اپنی کتاب سے نظریں اٹھائیں اور اپنے سامنے پورے گینگ کو کھڑے پایا۔

''ارے بھائی کہاں کی تیاری ہے...؟ کیوں اتنا پریشان ہو...؟ اور آپ سب کے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟'' فراز نے مسکرا کر ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''بھائی جان اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں گے تو... چاچی، تائی اور امّی ہماری بات سنیں گی... ورنہ ہم سب کو ڈانٹ کر بھگا دیں گی۔ آپ چلیں گے نا ہمارے ساتھ؟'' عمر نے کہا۔

''ہاں میں آپ سب کے ساتھ ضرور چلوں گا اور آپ سب کے لیے بات بھی کروں گا لیکن اُس سے پہلے آپ سب کو میری ایک بات سننا ہوگی'' فراز نے بچوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ سارے بچے خوشی سے جھومنے لگے۔

''بھائی جان زندہ باد۔'' نعرے لگاتے بچوں کو دیکھ کر فراز مسکرا رہا تھا۔ وہ کچھ ہی مہینوں میں (Nutritionist) ماہرِ غذائیت کی ڈگری حاصل کرنے والا تھا۔ عمر اس گینگ کا لیڈر ہے وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ فراست اور عاقب ہم عمر ہیں اور وہ ساتویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔ دونوں اپنی کلاس میں اوّل آتے ہیں۔ زبیر سب سے چھوٹا ہے... وہ پانچویں جماعت میں ہے۔ عمر اور زبیر کی جوڑی ہمیشہ ساتھ نظر

آتی ہے... دونوں مل کر شرارت کرتے ہیں اور ڈانٹ بھی مل کر کھاتے ہیں۔ شور تھوڑا کم ہوا تو فراز نے کہا:

''اب آپ لوگ میری بات بھی سنو گے یا...!'' عمر فوراً بولا:

''ہم آپ کی ہر بات سنیں گے بھی اور مانیں گے بھی۔ ہمیشہ کی طرح۔'' سب ایک ساتھ بولے۔ فراز نے اپنی بات شروع کی:

''ہمیں زندہ رہنے کے لیے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ غذا ہمیں توانائی فراہم کرتی ہے اور ہماری نشو ونما میں مدد کرتی ہے۔ بنیادی طور پر غذا میں 6 چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی جانتا ہے کہ ہماری خوراک میں کیا کیا شامل ہوتا ہے...؟'' فراز سب سے مخاطب تھا:

''ہاں... دال، چاول، پالک، بھنڈی...'' ابھی فراست بول ہی رہا تھا کہ عاقب نے جوڑا۔

''ہرا کھیا، ٹنڈے، مولی...!'' سب بچوں نے اپنی ناک کو ہاتھ لگایا اور زور سے ہنسنے لگے۔

''میں یہ نہیں پوچھ رہا ہوں۔! میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمارے جسم کو صحیح طریقے سے کام کرنے کے لیے کن (Nutrients) غذائی اجزا کی ضرورت ہوتی ہے...؟'' فراز نے اپنا سوال وضاحت کے ساتھ دہرایا۔

''کھانا کھاتے ہیں... اور کیا...! بھوک لگی، کھانا کھایا... اور بس...!'' زبیر نے معصوم سا جواب دیا:

''جی... ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن ہمارے جسم کا ایک نظام ہے جو ہماری غذا سے طاقت حاصل کرتا ہے اور ہمارے جسم کو مضبوط اور کام کے لائق بناتا ہے... ہمارا جسم... ہماری خوراک سے کاربوہائیڈریٹ (Carbohydrates) پروٹین، (Proteins)، چربی (Lipids)، وٹامن (Vitamins)، نمکیات اور پانی حاصل کرتا ہے۔ اگر ہم متوازن غذا نہیں لیں گے تو ہمارا جسم صحیح طریقے سے کام نہیں کر پائے گا...!'' فراز نے سمجھاتے ہوئے کہا:

''بھائی جان... کیا ان رنگ برنگی سبزیوں میں ڈاکٹر صاحب والی چیزیں ہوتی ہیں...؟'' زبیر تھوڑا حیران تھا۔

''جی... آپ لوگ جس گھاس پھوس کے خلاف مورچہ نکالنے جا رہے ہو... میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' فراز نے کہا

''بھائی جان... وہ جو وٹامن کی گولیاں آتی ہیں... کیا انہیں کھا کر کام نہیں چل سکتا...؟ جیسے دادا دادی کھاتے ہیں...!'' عاقب جو اس گینگ میں سب سے زیادہ سمجھدار تھا اس نے پوچھا

''بہت خوب عاقب...! تحقیق بتاتی ہے کہ ہم میں سے نصف سے بھی زیادہ آبادی ہر روز کسی نہ کسی طرح کے وٹامن یا حیاتین کی گولیاں لیتی ہے اور کمال یہ ہے کہ ان گولیوں کا استعمال کرنے والے زیادہ تر لوگ اسے کسی بیماری یا جسمانی کمزوری کے باعث استعمال نہیں کرتے بلکہ اس یقین کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ یہ گولیاں ان کی صحت میں بہتری لائیں گی اور آپ بھی انہیں کی طرح سوچ رہے ہو۔ ہمیں گولیاں کھانے کی ضرورت ہی کیوں ہو۔؟ اگر ہم متوازن غذا لیں تو ہمارے جسم کا نظام اس غذا سے خود اپنی ضرورت کا سامان حاصل کر لے گا۔'' فراز نے تھوڑا رک کر دیکھا کہ بچے بات کو سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔

''اس کا مطلب یہ کہ لوگ جانتے ہیں کہ نیوٹریئنٹس (Nutrients) ہمارے لیے ضروری ہیں۔ جو آسانی سے ہم اپنی غذا سے حاصل بھی کر سکتے ہیں۔ پھر ان گولیوں کو ترجیح کیوں دیتے ہیں۔؟'' فراست نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کا جواب تو آپ لوگوں کے پاس ہی ہے۔!''

فراز نے موقع دیکھ کر سب کو گھیرا۔

''ہاں۔ ہم سب بھی تو سبزیوں پر پابندی لگوانے جا رہے تھے۔!'' عمر نے خلافِ توقع سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے کہا:

''چلیے... اب امّی سے سبزیاں نہ بنانے کی بات کرنے چلتے ہیں۔ دیر ہوگئی تو آج پھر کوئی سبزی کھانا پڑے گی...!'' فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ پھر عمر نے کہا۔

''نہیں بھائی جان۔ اب ہم سبزی کھانے سے منع نہیں کریں گے اور مجھے تو کوئی گولی وولی کھانا پسند بھی نہیں ہے!'' سب بچوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا آپ ہمیں بنیادی غذائی اجزا کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہیں؟'' سارے بچے تھوڑا اور قریب آ کر بیٹھ گئے تھے۔ فراز نے دوبارہ اپنی بات شروع کی

''ہوں ں ں۔ میں آج آپ لوگوں کو وٹامن کے بارے میں کچھ بتاتا ہوں!'' بچوں کی توجہ دیکھ کر فراز کو اطمینان ہوا کہ اس کی باتوں کا اثر ہو رہا ہے۔

''وٹامن ڈی (D) کو تو میں بھی جانتا ہوں۔ امّی روز صبح اٹھا کر کہتی ہیں دھوپ میں تھوڑا ٹہل آیئے۔ وٹامن ڈی ملتا ہے۔ اس وٹامن کی وجہ سے آج کل بھی مجھے صبح اٹھنا پڑتا ہے جبکہ اسکول تو بند ہیں...!'' زبیر نے برا سا منہ بنا کر کہا تو سب کو ہنسی آ گئی۔

''جی زبیر... چاچی صحیح کہتی ہیں۔ اور صرف آپ کو ہی نہیں بستر چھوڑنا پڑتا... ہم سب بھی آپ کے ساتھ صبح پارک چلتے ہیں نہ...!'' فراز کے ساتھ سبھی بچوں نے اپنی گردن ہاں میں ہلائی۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ اس مرتبہ کسی بچے نے صبح جگانے کی شکایت نہیں کی تھی۔ فراز نے آگے کہا

''وٹامن ڈی (D)۔ ہمارے جسم کو غذا میں موجود کیلشیم جذب کرنے میں مدد کرتا ہے لیکن ایک وٹامن سے کام نہیں چلتا ہیرو۔ ہمیں تندرست رہنے کے لیے 13 مختلف اقسام کے وٹامن چاہئے ہوتے ہیں...!''

''کیا...؟ اتنے سارے...!'' عاقب کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

''اب بتایئے۔ صبح صبح کتنے ٹیبلیٹ روز کھائیں گے...؟ 13 تو صرف وٹامن ہیں اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کی ہمارے جسم کو ہر روز ضرورت ہوتی ہے!'' فراز نے عاقب کی حیرانی مزید بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے باپ رے... یہ سارے ہمیں روز لینا پڑتے ہیں؟'' اب حیران ہونے کی باری زبیر کی تھی۔

''جی... وٹامن ایسے مرکبات ہیں جو انسانی جسم کے اندر ہونے والے کیمیائی عمل کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا جسم انھیں خود نہیں بنا سکتا۔ اس لیے ہماری خوراک میں ان کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ یا تو اپنی غذا سے اسے حاصل کرو یا پھر رنگ برنگی گولیوں سے... مرضی آپ کی...!'' فراز نے ماحول کو ہلکا کرتے ہوئے تھوڑا مزاحیہ انداز میں کہا... لیکن بچے مسکرائے نہیں بلکہ بہت سنجیدگی سے عمر نے کہا۔

''بھائی جان مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ کھانا صرف ہمارا پیٹ ہی نہیں بھرتا بلکہ ہمارے اتنے کام آتا ہے۔! کیا آپ ان وٹامن کے نام بتا سکتے ہیں...؟''

''سب سے پہلے تو یہ جان لیجیے کہ وٹامن دو طرح کے ہوتے ہیں۔ چربی میں حل ہونے والے (Fat soluble) اور پانی میں حل ہونے والے (Water soluble) وٹامن۔ فیٹ سولیوبل وٹامن ہیں اے، ڈی، ای اور

کے(A,D,E,K) اور واٹر سولیوبل وٹامن ہیں وٹامن سی اور وٹامن بی کومپلیکس(c,vitamin B Complex)۔"

"یہ چربی اور پانی والے وٹامن۔؟ یہ بات تو بالکل بھی سمجھ نہیں آئی...!" عاقب بات نہ سمجھ پانے کی وجہ سے کچھ بے چین نظر آرہا تھا۔فراز نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"ہاں ہیرو...!اسے سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے لیکن اتنا مشکل بھی نہیں... میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔۔فیٹ سولیوبل ہمارے جسم کے اندر رہ جاتے ہیں... اتنا سمجھ لو جسے جہاں جگہ ملتی ہے وہیں بیٹھ جاتا ہے اس لیے اگر انہیں زیادہ مقدار میں لیا جائے تو ہمارے جسم کو فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچا دیتے ہیں۔جیسے وٹامن ڈی کی بہت زیادہ مقدار ہڈیوں کی صحت کے لیے مفید نہیں...!اس لیے جسم کی ضرورت کے مطابق ہی ان کا استعمال کرنا چاہیے۔ اسی طرح واٹر سولیوبل وٹامن ہیں ۔ان کی ایک اچھی بات یہ ہے کہ ان کی جسم کو جتنی ضرورت ہوتی ہے اتنی مقدار حاصل کرنے کے بعد ہمارا جسم خود اضافی مقدار کو باہر نکال دیتا ہے۔اس لیے ان کا تو اسٹاک بھی ہمارے جسم میں نہیں ہوتا... اور ہمیں یہ روز چاہیے ہی چاہیے...!" فراز نے مسکراتے ہوئے کہا... عمر اپنی انگلیوں پر کچھ گن رہا تھا اچانک اس نے پوچھا

"بھائی جان یہ تو صرف 6 وٹامن ہیں... اے، ڈی، ای، کے، سی اور بی کومپلیکس...!"

"شاباش عمر بہت اچھے۔!اصل میں وٹامن بی کومپلیکس میں پورے آٹھ وٹامن شامل ہوتے ہیں۔ B1، B2، B3، B5، B6، B7، B9، اور بی 12۔ہوگئے نہ پورے 13......"

"جی... بھائی جان...!" عمر نے انگلیوں پر واپس گنتے ہوئے کہا۔

"آج کے لیے اتنا کافی ہے پھر کسی دن بات کریں گے ... اب تو کھانے کا وقت بھی ہو رہا ہے...!" فراز نے میٹنگ ختم کرنے کی بات کہی لیکن عاقب کا سوال آگیا

"بھائی جان... صرف وٹامن کے(K) کے بارے میں کچھ بتا دیجیے۔ پہلے میں نے کبھی سنا ہی نہیں...!" فراز کو عاقب کا تجسس بہت پسند آیا اس نے مسکرا کر جواب دیا

"جی عاقب۔سب سے ضروری اور اہم بات' وٹامن کے' کے تعلق سے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کے ذرائع کو اگر دیر تک پکایا جائے تو یہ وٹامن خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے۔ویسے وٹامن کے کی کمی کافی نایاب ہے۔اس کی کمی کے سبب خون جمنے میں دقت ہوتی ہے اور جسم کی مختلف جگہوں سے خون نکلنے لگتا ہے۔۔اس کی کمی سے ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں اور دل کے مسائل کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔اور ہیرو یہ زیادہ تر پتے والی سبزیوں میں پایا جاتا ہے۔یعنی پتے والی سبزیاں کھانا پڑیں گی...! چلو اب کھانا کھاتے ہیں۔ مجھے بھوک لگی ہے...!" فراز اور سب کھانے کے لیے پہنچے۔ حالانکہ آج پالک کی سبزی، بھنڈی اور دال بنی تھی لیکن بچے خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے جسے دیکھ کر امّی، چاچی اور تائی حیران ہو رہی تھیں۔ انھیں سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنا سنناٹا کیوں ہے...؟ لیکن اس کی وجہ تو صرف فراز ہی جانتا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اس کی محنت بے کار نہیں گئی تھی۔

[مارچ 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف شائع ہوچکا ھے۔]

■

Shahtaj Khan
588/2B, Hayat Manzil, Plot No 40
Flat No 4, New Era Society
Pune - 411037 (Maharashtra)
Mob.: 9225545354

محمد الیاس

اتحاد کی طاقت

بچے تو عام طور پر ضدی ہی ہوتے ہیں، ایک دن ایک بلی دیوار پھاند کر احمد میاں کے گھر میں کیا آئی وہ تو کہنے لگے میں تو اب اسے کہیں جانے نہیں دوں گا گھر پر ہی پالوں گا، ماں سے ضد کرنے لگے کہ اس کو پکڑ کر اس کے گلے میں رسی باندھ لیجیے۔ ماں نے ان کی ضد پوری کرنے کے لیے بلی کو پکڑوا لیا اور اس کے گلے میں رسی باندھ دی۔ احمد میاں نے گھر کے ملازم جمن چاچا سے حکم کے انداز میں کہا کہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست کریں۔ جمن چاچا گھر کا سامان لینے کے لیے بازار گئے تو بلی کے کے لیے گوشت بھی لے کر آئے۔ احمد میاں اس کو روزانہ اپنے ہاتھ سے کھلانے لگے اور اس کو دودھ بھی پلانے لگے۔ چند دن بعد بلی کے گلے کی رسی بھی کھول دی تب بھی وہ احمد میاں کی رفاقت ہی میں رہی کیونکہ احمد میاں کی اس سے دوستی جو ہو گئی تھی۔

احمد میاں اپنی امی کے ساتھ ایک دن اپنی اسکول ڈریس خریدنے کے لیے بازار جا رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر مرغی کے ننھے ننھے چوزوں پر پڑی جو دیکھنے میں بڑے خوبصورت لگ رہے تھے۔ بس پھر کیا تھا لگے ضد کرنے کہ میں تو یہ چوزے خریدوں گا۔ امی نے لاکھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بیٹا تم نے پہلے ہی بلی پال رکھی ہے وہ تمھارے چوزوں کو کھا جائے گی تو کیا کرو گے۔

”نہیں میری بلی رانی میرے چوزوں کو نہیں کھائے گی، میں چوزوں کی بلی رانی سے دوستی کرادوں گا۔“ احمد میاں بولے۔

مجبوراً ماں کو ان کی یہ فرمائش بھی پوری کرنی پڑی۔ احمد میاں وہاں سے دس چوزے لے کر خوشی خوشی گھر چلے آئے۔ چوزے کیونکہ ابھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ احمد میاں ان کو پنجرے سے نکالتے اور دانہ پانی دے کر پھر سے بند کر دیتے، احمد میاں بلی سے زیادہ چوزوں سے مانوس ہو گئے۔

ان کے گھر میں ایک امرود کا پیڑ تھا اور اس کے برابر میں ہی ایک پرانے زمانے کا کنواں تھا جس کا پانی گھر میں اب بھی پیا جاتا تھا۔ ویسے تو گھر میں پانی کی پائپ لائن بھی تھی لیکن چونکہ وہ گندے راستوں سے گزر کر گھر تک آتی ہے اور بسا اوقات پائپ پھٹ بھی جاتے ہیں جن کی مہینوں تک مرمت نہیں ہوتی لہٰذا اس کو ناقابل اعتبار سمجھا جاتا تھا اور احمد میاں کے گھر والے سب اس کنویں کا ہی پانی پیتے تھے، اس لیے بزرگوں کے بنائے ہوئے اس کنویں کو بند نہیں کیا تھا۔

گھر میں بلی رانی کے لیے الگ جگہ مخصوص تھی اور چوزوں کے لیے الگ۔ جب چوزوں کے کھلانے پلانے کے لیے گھر سے نکالا جاتا تو عام طور پر بلی بھی وہیں ہوتی لیکن

چونکہ احمد میاں کے گھر میں کھانے پینے کی کمی نہیں تھی، پہلے کوئی پانی بھی نہیں پلاتا تھا اب تو یہاں گوشت بھی ملتا اور بڑی وقعت کے ساتھ کٹورے میں دودھ بھی پینے کے لیے ملتا، انھیں اور کیا چاہیے تھا۔ بیچارے چوزے تو گیہوں یا چاول کے دانے ہی کھاتے اور پانی پی لیتے یا جو چیزیں کوڑا سمجھ کر پھینک دی جاتیں ان کو کھا کر بھی اکتفا کر لیتے بس۔ ایک طرف بلی رانی ہوتیں اور دوسری طرف چوزے۔ درمیان میں احمد میاں اچھل کود کر رہے ہوتے۔

بلی رانی کو روزانہ وقت پر ان کا کھانا اور دودھ دیا جاتا۔ جمن چاچا کی ڈیوٹی ہوگئی تھی کہ روزانہ ان کے کھانے کے لیے بازار سے گوشت لاتے اگر ان کو ان کی غذا ملنے میں ذرا بھی دیر ہو جاتی تو بڑا شور مچاتیں۔ ایک دن ان کا کھانا ملنے میں ذرا دیر ہوگئی چوزے بھی پنجرے سے باہر ہی گھوم رہے تھے بلی رانی تو بھوک کی شدت میں غرا ہی رہی تھیں ایک چوزے پر ایسا جھپٹا مارا کہ تمام چوزے چیں چیں کا شور مچاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ احمد میاں کسی کام سے کمرے میں چلے گئے تھے، جلدی سے کمرے سے نکل کر بھاگے، ایک چوزہ بلی رانی کا لقمہ بن چکا تھا، بس جائے حادثہ پر چوزے کے پر پڑے ہوئے تھے۔ صدمہ کے مارے ایک وقت کھانا بھی نہیں کھایا، دوسرے وقت بھی ماں نے بڑا اصرار کر کے کھلایا۔ اب احمد میاں بلی رانی سے ناراض تو تھے ہی مگر ان کے بغیر دل بھی نہیں بہلتا تھا۔ بلی رانی کو گود میں لے کر ان کی چمکیلی آنکھوں میں دیکھ کر بولے کہ دیکھو بلی رانی میرے چوزوں پر اب حملہ نہ کرنا ورنہ میں تمھیں ہمیشہ کے لیے بنواس پر بھیج دوں گا، جمن چاچا سے کہوں گا کہ تمہیں اتنی دور جنگل میں پھینک کر آئیں جہاں سے تم واپس نہ آسکو۔ بلی رانی بھی میاؤں میاؤں کر کے جیسے یہ کہتیں کہ ہاں میں تمہارے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گی۔

اب چوزوں کی عمر ایک مہینہ ہوگئی تھی ان کے چلنے پھرنے کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔ زمین سے ایک آدھ فٹ اوپر اڑ بھی سکتے تھے اور کسی خطرے سے اپنا تحفظ بھی کر سکتے تھے۔ اس حادثے کے بعد بھی ایک بار بلی رانی کی نیت ان پر خراب ہوئی مگر ایک تو بلی رانی کے حملے میں شدت نہیں تھی دوسرے یہ کہ اب چوزوں کا شکار اتنا آسان بھی نہیں تھا کیونکہ وہ اُڑ کر پیڑ پر یا مکان کی چھت پر بیٹھنے کے لائق ہو گئے تھے، مگر پھر بھی بلی بھوک کی شدت میں موقع کی تلاش میں رہتی تھی۔

جمن میاں جب بازار جاتے تھے تو ان کو بھی درجنوں کام ہوتے تھے اور وہ سبھی کو نمٹا کر گھر لوٹ کر آتے تھے۔ اپنی ذمے داری کو بڑی ایمانداری سے انجام دیتے تھے اسی لیے کبھی کبھی گھر کے سارے کام کرتے کرتے دیر ہو جاتی تھی اور بلی بھوک میں غرانے لگتی تھی جیسے جمن میاں اگر اس کے ہاتھ آ جائیں تو ان کو ہی پھاڑ کر کھا جائے گی مگر جیسے ہی گوشت اس کے سامنے ڈالا جاتا عام طور پر وہ اپنے شکوے بھول جاتی اور سب کچھ چٹ کرنے کے بعد بڑے پیار سے جمن میاں کے پیروں سے چمٹ جاتی جیسے ان کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔

ایک دن جمن میاں گھر سے نکل کر شاید زیادہ ہی مصروف ہو گئے اور واپس آنے میں تین بج گئے۔ بلی بڑی شدت سے غرا رہی تھی اور دروازے کو تکے جا رہی تھی جبکہ چوزوں کو جمن میاں سے زیادہ سروکار ہی نہ ہوتا تھا حالانکہ وہ ان کے لیے بھی کبھی کبھی خراب قسم کے گیہوں چاول لے آتے تھے۔ جمن میاں جب زیادہ دیر تک نہیں آئے تو بلی رانی نے ایک چوزے پر حملہ کر ہی دیا اور پنجوں میں پوری طرح جکڑ کر اس کا سارا گوشت کھا گئیں۔ احمد میاں کو یہ حادثہ بھی غمزدہ کر گیا۔ مگر کرتے بھی کیا، وہ بلی رانی سے بھی مانوس تھے اور چوزوں سے بھی۔ اسی طرح جب تک چوزوں نے مرغوں کی

شکل اختیار کی دواور مرغے بلی رانی کھا چکی تھیں۔
مرغے اور بلی کا ہر وقت کا ساتھ تھا لیکن پھر بھی بلی رانی اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔ ان کی آنکھوں میں چمک بہت زیادہ تھی مگر وفا بہت کم۔ مرغے جوان ہو گئے تھے اور وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ بلی ساتھ رہتے بھی ان کی جانی دشمن ہے۔ لہٰذا انھوں نے مل کر ایک دفاعی منصوبہ تیار کر لیا۔
بلی رانی کو ایک دن جب بھوک نے بہت ستایا تو مرغے بھی ان کی نیت کو بھانپ گئے۔ بلی رانی نے دیکھا کہ تین مرغے امرود کے پیڑ کے برابر میں کھڑے ہیں انھوں نے بڑی سرعت سے چھلانگ لگا کر ایک مرغے کو نشانہ بنا کر حملہ کیا جب تک بلی مرغے تک پہنچ پاتی وہ اُڑ کر پیڑ پر بیٹھ گیا۔ اب تو بلی رانی بڑی مایوس ہوئیں۔ شدتِ جذبات میں جب بلی رانی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تین مرغے کنویں کے اُس پار کھڑے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اب تو بلی رانی نے ہاؤ دیکھا نہ تاؤ وہیں سے چھلانگ لگا کر ایک مرغے کو شکار کرنے کی کوشش کی۔ چھلانگ اتنی لمبی نہیں تھی کہ وہ مرغوں تک پہنچ پاتیں بیچ میں کنواں تھا اسی میں گر گئیں اور غوطے کھانے لگیں۔ گھر میں شور مچ گیا ”بلی کنویں میں ڈوب گئی، بلی کنویں میں ڈوب گئی۔“ لہٰذا جلدی جلدی ایک آدمی کو کنویں میں اتارا بلی کو کنویں سے باہر نکالا، مگر اب وہ بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی پانی پی پی کر پیٹ غبارے کی طرح پھول گیا تھا۔ سارے مرغے ککڑوں کوں ککڑوں کوں کی صدائیں بلند کرنے لگے۔
احمد میاں اپنی امی سے بولے ”بلی رانی تو مر گئیں مگر یہ مرغے کیوں شور مچا رہے ہیں۔“
امی کہنے لگیں ”بیٹا یہ اپنی فتح کا جشن منا رہے ہیں۔

■

Dr. Mohd Ilyas
385, Peetal Basti
Moradabad - 244001 (UP)
Mob.: 9027455955

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............................ بتاریخ............................
بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔
میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326
میں جمع کروا دیا ہے۔
آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:
نام : ....
پتہ : ....
....
....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:
Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066
Email.: magazines@ncpul.in, 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

غصے کی زنجیر

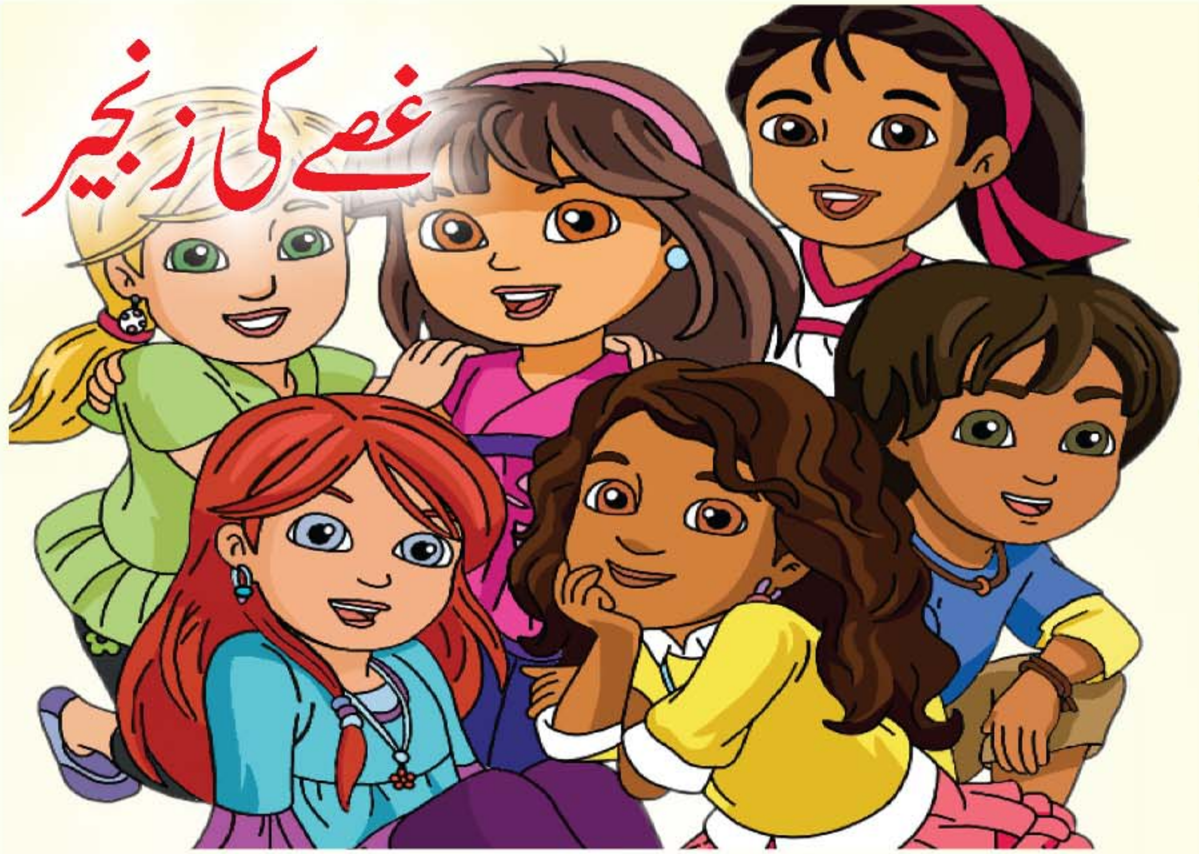

محمد علیم اسماعیل

محمد علیم اسماعیل (بی اے، بی ایڈ) درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ افسانے اور کہانیاں لکھتے ہیں۔ ان کے افسانے ملک کے موقر ادبی رسائل آجکل، شاعر، بے باک، ادب سلسلہ وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ دو افسانوی مجموعے 'الجھن' اور 'رنجش' بھی شائع ہوچکے ہیں۔ بچوں کے لیے بھی کہانیاں لکھتے ہیں۔ متعدد ادبی انعامات سے نوازے جاچکے ہیں۔

ثمینہ ایک ذہین لڑکی تھی۔ وہ چھٹی جماعت کی طالبہ تھی اور گھر میں سب کی لاڈلی تھی۔ اسے اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلنا بہت پسند تھا۔ اسکول کے بعد وہ اپنے گھر کے قریب میدان میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ کھیل کود کے علاوہ اسے لکھنے پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ وہ اپنے گھر کے کچھ چھوٹے موٹے کام بڑی دلچسپی سے کرتی۔ جیسے باغ میں پودوں کو پانی دینا، ان کی دیکھ بھال کرنا، جنرل اسٹور سے ضروری ساز و سامان لانا، بازار سے سبزی لانا وغیرہ۔

اس میں جس طرح کئی خوبیاں تھیں۔ اسی طرح اس میں یہ خامی تھی کہ وہ بہت جلد غصہ ہو جاتی۔ اسکول میں اور کھیل کے میدان پر وہ اپنی سہیلیوں سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ ہو جاتی۔ ایک دو دفعہ اس کے غصے کی شکایت اسکول سے گھر تک بھی آئی تھی۔ ماں باپ اور دادا نے اسے سمجھایا بھی تھا لیکن

اس کے برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

ایک روز ثمینہ سبزی منڈی جارہی تھی۔ شکستہ عمارتوں کا منظر پیش کرتی ہوئی کھڈوں والی سڑک۔ وہ سڑک جو سبزی بازار کی طرف جاتی ہے۔ اس پر ٹریفک اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ پیدل چلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی راستے پر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے، جابجا بنے ہوئے کھڈوں سے بچتے ہوئے وہ سبزی بازار گئی۔ جس سبزی والے سے وہ روزانہ سبزی خریدتی تھی اس کے پاس پہنچی۔ وہاں ایک شخص اس سبزی والے سے سبزی خرید رہا تھا۔ وہ بھی اپنی پسند کی سبزی کے انتخاب میں مگن ہوگئی۔

اس شخص نے 2 کلو ٹماٹر خرید کر اپنے بیگ میں رکھے اور سبزی والے کو روپے دیے۔

سبزی والے نے روپے گنے اور کہا، ''یہ کم ہیں صاحب۔''

اس شخص نے کہا، ''نہیں، برابر ہے۔ میں روزانہ اسی دام میں خریدتا ہوں۔ آج اچانک دام کیسے بڑھ گئے؟''

سبزی والے نے نرم لہجے میں کہا، ''نہیں صاحب زیادہ کہاں؟ آپ تو جانتے ہیں کہ مہنگائی کتنی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ پیٹرول ڈیزل 100 روپے لیٹر ہو گئے اور دوسری چیزوں کے دام بھی آسمان چھو رہے ہیں۔''

اس شخص نے سبزی والے سے بہت دیر تک بحث کی۔ وہ شخص کافی اونچی آواز میں بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے غصے سے اپنے بیگ سے ٹماٹر نکال کر زور سے سبزی والے کے منہ پر پھینک دیے، اور کہا، ''یہ لو، رکھ لو، نہیں چاہیے۔''

اس شخص کی یہ حرکت کسی کو بھی پسند نہیں آئی اور وہاں موجود کچھ لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ اب سبزی والا حساب برابر کرے گا اور اچھی خاصی فائٹ دیکھنے کو ملے گی، سبزی والا ہٹا کٹا نوجوان تھا، لیکن سبزی والا کھڑا ہوا اور اپنے منہ کو صاف کرتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا، ''کوئی بات نہیں صاحب جیسے آپ کی مرضی۔''

سبزی والے کے اس برتاؤ سے اچانک منظر ہی بدل گیا۔ یہ وہ منظر نہیں تھا جس کی کچھ لوگ امید کر رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر ثمینہ کو بڑی حیرت ہوئی اور افسوس بھی۔ اس روز اندر ہی اندر ثمینہ نے یہ محسوس کیا کہ یہ غصہ کتنا بُرا ہوتا ہے۔ یوں سمجھو وہ اس شخص کے اس طرح غصہ کرنے سے گھن محسوس کر رہی تھی۔ کوئی برائی اگر خود کے اندر ہو تو وہ برائی نہیں لگتی۔ جب وہ دوسروں میں نظر آتی ہے تو تب اس کی حقیقت انسان پر آشکار ہوتی ہے۔

ثمینہ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر بات اپنے دادا جی کو ضرور بتاتی تھی اور دادا جی اس پر مناسب رائے دیتے تھے۔ اس کے دادا ریٹائرڈ فوجی تھے۔ سرحدوں پر کئی برس تک ملک کی حفاظت کرنے کے بعد وہ ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے اور اپنے خاندان کے ساتھ وقت بتا رہے تھے۔ دادا بہت کم بولتے تھے لیکن بالکل سیدھی اور سچی بات کرتے تھے۔

اس دن ثمینہ گھر آئی اور پوری بات اپنے دادا جی کو بتائی۔ دادا جی نے پورا قصہ بغور سنا اور کہنے لگے، ''کچھ لوگ ایک جگہ کا غصہ دوسری جگہ نکالتے ہیں۔ دراصل یہ ان کی ناکامی کا غصہ ہوتا ہے۔ غصے کی وجہ سے تشدد اور تخریب جنم لیتے ہیں۔ جس سے صرف اور صرف نقصان ہی ہوتا ہے۔ اس سبزی والے نوجوان نے یہ سلسلہ وہیں پر ختم کر دیا ہے۔''

ثمینہ نے کہا ''سچ میں!!! سبزی والے نے دل سے اٹھنے والی نفرتوں کے دھویں کو محبت کی صاف ہوا سے پاک کر دیا۔ ورنہ غصے کا یہ سلسلہ نہ جانے کہاں جا کر ختم ہوتا۔''

ثمینہ اور اس کے دادا کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ثمینہ کے ابّو بھی وہاں آ گئے۔ وہ ایک ہائی اسکول

میں مدرس تھے اور سائنس مضمون پڑھاتے تھے۔ وہ ایک محنتی اور اچھے ٹیچر تھے۔ ان کا ایک سائنسی پروجیکٹ ریاستی سطح پر منتخب ہوا تھا۔ اس ضمن میں انھیں کچھ انعامات بھی ملے تھے۔

انھوں نے کہا، ''کیا بات ہورہی ہے۔''

ثمینہ کے دادا نے کہا، ''یہ دادا اور پوتی کے درمیان کی بات ہے۔''

ثمینہ نے کہا، ''ہاں ابّو یہ ہماری بات ہے۔''

''میں بھی جاننا چاہوں گا آخر بات کیا ہے؟ تم لوگ اتنے سنجیدہ طریقے سے گفتگو کر رہے ہو مجھے لگتا ہے ضرور کوئی دلچسپ یا پھر سنجیدہ بات ہے۔''

''ہاں آج سبزی منڈی میں ایک واقعہ پیش آیا۔'' ثمینہ نے جھٹ سے کہا۔

''اچھا تو میں بھی جاننا چاہوں گا کہ وہ کیا واقعہ ہے؟''

''ہم آپ کو ایک شرط پر سنائیں گے۔'' ثمینہ نے کہا۔

''کون سی شرط پر؟''

''شرط یہ ہے کہ پورا واقعہ سننے کے بعد آپ اس پر اپنی رائے دیں گے۔''

''ضرور ضرور ..... کیوں نہیں!! واقعہ سننے کے بعد میں اپنی رائے ضرور دوں گا۔''

ثمینہ کی ماں نے کہا، ''مجھے بھی تو پتا چلے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟''

ثمینہ نے کہا، ''جی امی آپ بھی آجایئے۔''

اس کے بعد ثمینہ نے اپنے والدین کو سبزی منڈی میں پیش آیا پورا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

انھوں نے ثمینہ کی زبانی پوری کہانی سنی۔ چونکہ ثمینہ کے ابو سائنس مضمون کے مدرس تھے۔ اس لیے انھوں نے غصے پر سائنسی نقطۂ نظر سے اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے کہا۔

''ہاں!! اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ سبزی والے نوجوان نے غصے کی زنجیر کو وہیں پر توڑ دیا۔ آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے اور میں بھی اس سے پوری طرح متفق ہوں۔ سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو غصہ صحت کے لیے کافی نقصان دہ ہوتا ہے۔ جب انسان کو غصہ آتا ہے تب اس کا جسم ایسے ہارمونس خارج کرتا ہے جو اسے غصے سے نپٹنے کے لیے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اگر یہ ہارمونس زیادہ تعداد میں خارج ہوتے ہیں تو انسانی جسم مختلف بیماریوں کا شکار ہوسکتا ہے۔ جیسے سر درد کرنا، نیند نہ آنا، بلڈ پریشر بڑھنا، ڈپریشن کا شکار ہونا اور بے چینی وغیرہ۔ غصہ دل کے لیے خطرناک ہوتا ہے۔ اس سے دل پر دباؤ پڑتا ہے۔ دورانِ خون رک سکتا ہے۔ غصے کے وقت خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور دل و دماغ پر کنٹرول رکھنا چاہیے۔''

سبھی نے یہ باتیں بڑی دلچسپی سے سنیں جو انھیں بہت پسند آئیں۔ آخر میں ثمینہ کی ماں نے کہا، ''فرمانِ مصطفیٰ ہے کہ 'جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔' اور اس واقعہ میں تو اس شخص کا سبزی والے پر غصہ کرنا سراسر ظلم کرنے کے برابر تھا۔''

ثمینہ بہت خوش ہوئی کہ غصے کے متعلق اُسے اسلامی اور سائنسی نقطۂ نظر سے اتنی اچھی معلومات حاصل ہوئیں۔ ماں نے مسکرا کر ثمینہ کی طرف دیکھا گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ رہی ہو۔

ثمینہ نے من ہی من میں کہا، ''باپ رے، غصے کے اتنے سارے نقصانات اور دیکھنے میں بھی یہ کتنا بُرا لگتا ہے۔'' ثمینہ نے پکا ارادہ کرلیا کہ اب وہ کبھی بھی غصہ نہیں کرے گی۔

■

Mohd Alim Ismail
(Asst.Teacher)
Behind police station
Nandura -443404 (Maharashtra)
Mob:8275047415

یسریٰ اسد

مطالعے کا رنگ

سارہ ایک ذہین لڑکی تھی۔ اس کا تعلق ایک مڈل کلاس فیملی سے تھا۔ تین بھائی بہنوں میں وہ پہلے نمبر پر تھی جب کہ اس سے چھوٹے دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کا نام عبداللہ اور چھوٹے بھائی کا نام علی تھا۔ اس کے والد ایک پرائیویٹ اسکول میں پرنسپل کے عہدے پر فائز تھے۔ اس کے علاوہ ان کا اپنا ذاتی کاروبار بھی تھا۔

ابتدا میں سارہ کو پڑھائی سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی بس وہ ایک عام طالبہ تھی لیکن جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی۔ اس کے ساتھ اس کی پڑھائی سے دلچسپی میں بھی اضافہ ہوتا گیا اوراس کی سب سے بڑی وجہ کتابوں کا مطالعہ تھی کیونکہ جب سے اس نے کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور یہ دیکھا کہ کس طرح لوگ غربت کے باوجود بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تب سے اسے بھی پڑھ لکھ کر ایک عظیم انسان بننے کی دُھن سوار ہوگئی۔ خاص طور پر ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کے حالاتِ زندگی نے اس پر گہرا اثر ڈالا اوراب وہ ایک کامیاب پروفیسر بننا چاہتی تھی۔ اور وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر انہی کی طرح اپنے گاؤں اور ملک کا نام روشن کرے۔

آج اتوار کا دن تھا۔ سارہ اور اس کے والد جمال صاحب کی بھی اسکول کی چھٹی تھی۔ سارہ اسی اسکول کی ساتویں جماعت میں زیرِتعلیم تھی جس اسکول میں اس کے والد صاحب پرنسپل تھے کل رات کھانے کے وقت اس کے ابو نے اسے بتایا کہ کل وہ اسے شہر کی سب سے بڑی بچوں کی لائبریری لے کر جائیں گے جہاں ہر طرح کی کتابیں اور ہر زبان میں بچوں کے رنگ برنگے رسالے ہوں گے۔ یہ سنتے ہی سارہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔

دوسرے دن تقریباً گیارہ بجے جب وہ اپنے ابو کے ساتھ لائبریری پہنچی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دراصل کتابیں تو اس نے بہت پڑھی تھیں لیکن اتنی زیادہ کتابیں اس نے اب تک پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ لائبریری کے چاروں طرف کی دیواریں رنگ برنگی کتابوں سے بھری پڑی تھیں۔ شام چار بجے تک وہ اپنے ابو کے ساتھ لائبریری ہی میں رہی۔ پانچ گھنٹہ کب گزر گئے اسے کچھ پتا ہی نہ چلا۔

گھر آتے ہی اس نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ وہ چھوٹی ہی صحیح لیکن اپنے گاؤں میں بچوں کے لیے ایک لائبریری ضرور بنائے گی تا کہ گاؤں کے دوسرے بچے بھی بآسانی اپنی من پسند کتابوں کا مطالعہ کرسکیں۔

دوسرے دن اسکول سے واپس آنے کے بعد وہ اپنی دوست رمشہ کے گھر گئی تا کہ وہ رمشہ کو بھی بتا سکے کہ وہ ایک چھوٹی سی لائبریری بنانے والی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس لائبریری کو بنانے میں وہ اس کی مدد کرے۔ رمشہ کو سارہ کی بات سن کر بہت خوشی ہوئی اور وہ فوراً اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوگئی۔

سارہ کے گھر کے سامنے والے حصے میں ایک صحن نما جگہ تھی۔ جہاں وہ اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ یہ جگہ اسے لائبریری بنانے کے لیے بہت مناسب لگی تا کہ گاؤں

کے دوسرے بچے بآسانی بغیر کسی تردد کے یہاں آسکیں۔ سارہ اور رمشہ نے مل کر اس جگہ کو صاف کیا اور وہاں پیڑ پودے لگانے کے لیے تین طرف سے کیاریاں بنائیں اور اس میں قسم قسم کے پھول لگائے۔ سارہ اپنے گھر سے ایک الماری لے کر آئی جس کا رنگ دھوپ میں پڑے رہنے کی وجہ سے خراب ہوگیا تھا۔ دونوں نے مل کر اس کو پینٹ کیا پینٹ کرنے کی وجہ سے وہ بالکل نئی لگنے لگی تھی۔ سارہ نے اپنے ابو سے بچوں کے بیٹھنے کے لیے میز اور کرسیاں منگائیں۔

اگلے دن سارہ نے اپنی وہ تمام کتابیں جو اس نے خود خریدی تھیں یا جو اسے گفٹ ملی تھیں سب لا کر ترتیب سے الماری میں سجا دیں۔ ان کتابوں کے علاوہ اس کے والد نے بھی اور بہت سی کتابیں لا کر سارہ کو دیں جس سے پوری الماری بھر گئی تھی۔ شیشے کے اندر سے وہ کتابیں بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ تقریباً تین دن بعد سارہ کی چھوٹی سی لائبریری بن کر تیار تھی۔ جس کا نام اس نے The Library of Children رکھا۔ اتوار کے دن اس نے باقاعدہ اپنے ہاتھوں اس لائبریری کا افتتاح کیا جس میں تقریبا گاؤں کے تمام بچے حاضر ہوئے اور اس لائبریری کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سارہ کے اس کام کو گاؤں والوں نے بہت پسند کیا اور اس کو بہت سی دعائیں دی۔

وقت گزرتا گیا۔ سارہ کی لائبریری میں آنے والے بچوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی اور پہلے کی بہ نسبت اب اس کی لائبریری بھی کافی بڑی ہوگئی تھی۔ گاؤں کے اکثر بچے اب اپنا زیادہ تر وقت لائبریری ہی میں گزارتے تھے۔ سارہ بھی اپنے بچپن کے خواب کو پورا کرنے کے لیے اب ایک یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی۔ جہاں وہ خوب محنت اور لگن سے پڑھائی کر کے اچھے نمبرات حاصل کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ گاؤں کے اکثر بچے بھی اب دوسرے شہر پڑھنے لگے تھے۔

آج کا دن سارہ اور اس کی فیملی لیے انتہائی خوشی کا دن تھا کیونکہ آج اس کے رزلٹ کا دن تھا اور وہ پی ایچ ڈی کرنے والے اسٹوڈنٹس میں سب سے پہلے نمبر پر تھی۔ اس طرح اس کا شمار شہر کے بڑے پروفیسرز میں ہونے لگا تھا۔ جو سارہ اس کی فیملی اور گاؤں والوں کے لیے انتہائی خوشی کی بات تھی۔ اسی وجہ سے گاؤں والوں نے سارہ کے استقبال میں ایک چھوٹا سا پروگرام منعقد کیا تا کہ سارہ گاؤں کے بچوں کو بتا سکے کہ کس طرح اس نے اپنے مستقبل کو سامنے رکھ کر محنت اور لگن سے پڑھائی کر کے اپنے گاؤں اور شہر کا نام روشن کیا۔

تو دیکھا بچو! آپ نے کہ کس طرح سارہ نے اپنے بچپن کے خواب کو پورا کرنے کے لیے مطالعے میں دلچسپی لے کر اور محنت ولگن سے پڑھائی کر کے اپنے گاؤں اور شہر کا نام روشن کیا۔ بچو! آپ بھی سارہ کی طرح بننے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اگر وہ بچپن میں مطالعے کی طرف راغب نہ ہوتی اور نہ ہی وہ ان اہم شخصیات کے بارے میں جانتی جنھوں نے پڑھ لکھ کر ہمارے ملک کا نام روشن کیا تو وہ اس مقام تک کبھی نہ پہنچ پاتی۔ تو بچوں ابھی بھی وقت ہے آپ بھی آج سے خوب محنت ولگن سے پڑھائی شروع کر دیں اور اپنے کورس کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں اور رسالوں کا بھی مطالعہ کریں تا کہ آپ بھی اپنے ملک اور سماج کے بارے میں کچھ جان سکیں اور اس کے لیے کچھ کر سکیں اور اس دنیا سے جانے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں آپ کا نام زندہ رہے۔

■

Yusra Asad
Imampur Sabrahad
Shahganj
Jaunpur- 223101 (UP)

یاسمین بانو

غلطی کا احساس

صبح کا وقت تھا۔ موسم بہت ہی سہانا لگ رہا تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ شدید ٹھٹھرتی سردی سے نجات مل چکی تھی۔ ایسے موسم میں ٹھنڈی ہوائیں بڑی پر لطف معلوم ہو رہی تھیں۔ منکو بندریا کے دونوں بچے چنٹو اور منٹو ایک ڈال سے دوسری ڈال پر اچھل کود کر رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ یہ افریقی نسل کے بندر تھے جن کے چہرے لال اور جسم بھورا تھا۔ ان کی آنکھیں بڑی پیاری تھیں۔ جو ان کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے ان کی آنکھوں میں کاجل لگا دیا گیا ہو۔ کھیلتے کھیلتے منٹو اچانک درختوں سے نیچے گری ہوئی پتیوں پر آ کر بیٹھ گیا۔ چنٹو نے جب دیکھا کہ منٹو نیچے جا کر بیٹھ گیا ہے تو وہ پریشان ہو کر اس کے پاس گیا اور کہا کہ ”کیا ہوا منٹو تم کھیل کیوں نہیں رہے ہو، کہیں کھیلنے میں تمھیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔“ ایسا تو کچھ نہیں ہے میرے بھائی۔

”منٹو نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا تو پھر یہاں آ کر کیوں بیٹھ گئے کھیلتے کیوں نہیں۔“ چنٹو نے جھلاتے ہوئے کہا۔ منٹو نے بڑے ہی اطمنان سے جواب دیا ”دیکھو چنٹو! میرے ذہن میں یہ بات چل رہی ہے کہ ہم یہاں ایک ہی جنگل میں رہتے رہتے بور ہو گئے ہیں۔ یہاں کے پھلوں سے بھی ہمارا جی بھر چکا ہے میں سوچ رہا ہوں کیوں نہ ہم اس جنگل سے باہر کی دنیا دیکھیں اور دوسرے درختوں کے پھلوں کا لطف اٹھائیں۔“ یہ سب سن کر چنٹو ہکا بکا رہ گیا اور کہا ”منٹو تم کیسی باتیں کر رہے ہو آج تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تمھیں پتہ نہیں کہ امی جان نے ہمیں اس جنگل سے باہر جانے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم یہاں محفوظ ہیں۔ یہاں سے باہر نکلنے پر ہم خطرے میں پڑ سکتے ہیں یہاں کے جنگلی جانور ہماری حفاظت کرتے ہیں۔“ چنٹو، تم بہت ڈرپوک ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے منٹو، بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ ہم اپنے امی ابو کی نافرمانی کریں اور مصیبت سے دوچار ہو جائیں۔ چنٹو نے جواب دیا لیکن شام ڈھلے تک ہم واپس آ جائیں گے چنٹو۔ منٹو نے اصرار کیا۔ ”نہیں منٹو میں تمھارے ساتھ چلنے کی غلطی نہیں کر سکتا یہ میرا آخری فیصلہ ہے اب تم مجھے مزید مجبور نہ

کرو بلکہ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم بھی ادھر جانے کی غلطی نہ کرو۔'' تم مجھے روکنے والے کون ہوتے ہو۔ میں تو چلا سیر کرنے۔ منٹو نے اتنا کہا اور اچھلتا کودتا دور نکل گیا چنٹو کچھ دیر ایسے ہی بیٹھا رہا۔ آخر اپنے دوست کے گھر چلا گیا اور پھر اسے ساتھ لے کر کھیلنے لگا۔ اسی طرح کھیلتے کودتے کھاتے پیتے شام ہوگئی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا کہ میرا بھائی منٹو ابھی تک نہیں آیا کہیں وہ کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گیا لیکن اچانک منٹو کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی ''چنٹو، چنٹو...'' یہ سن کر اس کے دل کو قرار آ گیا۔ واپس آنے کے بعد منٹو اسے جنگل کے باہر کی دنیا کے بارے میں بڑے ہی مزے سے سنانے لگا اور وہاں کے عجیب وغریب پھلوں کے بارے میں بھی بتانے لگا۔ منٹو کا اب یہ روز کا معمول بن چکا تھا۔ وہ صبح سویرے جنگل سے باہر نکل جاتا۔ ادھر ادھر گھومتا پھرتا۔ پھل کھاتا اور شام ڈھلنے سے پہلے پہلے واپس آ جاتا۔ چنٹو بھی اب اس کے باہر جانے کا عادی ہو چکا تھا لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ایک دن ہوا یہ کہ منٹو ایک درخت کی ڈال پر بیٹھا پھل کھا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دوسرا پھل توڑنے کے لیے لپکا تب اچانک اس کے پیر کسی جال میں جکڑ گئے۔ منٹو نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے کو اس جال سے آزاد کر کے اپنے ٹھکانے کی راہ لے لیکن تمام کوششوں کے باوجود بھی وہ ناکام ہو گیا تھا. وہ جتنا کوشش کرتا جاتا اتنا ہی اس جال میں پھنستا چلا جاتا۔ وہ ''چنٹو...... چنٹو...... امی امی'' زور زور سے چلانے لگا لیکن افسوس وہ تو اپنے پیارے جنگل سے بہت دور آ چکا تھا۔ اس کی آواز اس کے اپنے جنگل میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔

اب اسے چنٹو کی بات یاد آ رہی تھی اور امی جان کی وہ باتیں بھی اس کے دل و دماغ کے دریچوں میں گھومنے لگی تھی کہ ''دیکھو بچو! انسان ہمارے دشمن ہیں وہ ہمیں سرکس میں کرتب دکھانے کے لیے لے جاتے ہیں اور ہم ہمیشہ کے لیے اپنوں سے جدا ہو جاتے ہیں یہ باتیں نسل در نسل چلی آ رہی ہیں۔ برسوں پہلے ہمارے خاندان میں ایسا ہی ہوا تھا ہماری نسل کے ایک بچے کو انسان اٹھا کر لے گئے تھے اس بچے کی ماں کا روتے روتے برا حال ہو چکا تھا اس پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر سب جانور اکٹھے ہوئے اسے تسلی دی اور ہماری نسلوں کی حفاظت کرنے کا وعدہ کیا اور آج تک اس وعدے کو نبھا رہے ہیں۔ اسی لیے اس جنگل میں اب کوئی انسان داخل ہونے کی ہمت نہیں کرتا اگر کوئی انسان اس جنگل میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو یہاں کے جنگلی جانور ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور اس طرح ہم اس جنگل میں پوری طرح محفوظ ہیں لیکن بچوں اس جنگل سے باہر جانے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔'' وہ ان خیالات میں غرق تھا تب تک انسانوں کی ایک ٹولی وہاں پہنچ چکی تھی۔

وہ لوگ بہت خوش ہو رہے تھے ''ارے واہ یہ تو افریقی نسل کا بندر کا بچہ ہے'' کسی نے کہا ''میں کئی دنوں سے اس بندر کے بچے کو ادھر آتے دیکھ رہا تھا اور پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا آج مجھے اس میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کے ذریعے تو ہماری سرکس خوب چلے گی۔ بچوں کے امتحان ہوتے ہی بچے سرکس کا رخ کریں گے اور خوب کمائی ہوگی۔ تب تک ہم اسے اچھے اچھے کرتب سکھا دیں گے'' ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ ان لوگوں نے بڑی احتیاط سے منٹو کو جال سے نکال کر پنجرے میں ڈال دیا اور اسے گاڑی میں بٹھا کر لے جانے لگے۔

منٹو اپنے جنگل کو انتہائی درد و غم کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے اپنے خاندان کے لوگ اور دوست واحباب اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے تھے. یہ شام اس کے لیے بڑی

بھیانک تھی۔ وہ اپنی ماں کی نافرمانی کرنے پر پچھتا رہا تھا۔

ادھر جنگل میں چنٹو پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ شام رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ چنٹو، منٹو کے انتظار میں پریشان بیٹھا تھا کہ کب منٹو واپس آئے اور وہ دونوں اپنے گھر جائیں۔ اس کا دل بھیانک خیالات سے لرز رہا تھا لیکن پھر وہ اپنے خیالات کو جھٹک دیتا۔ تبھی خوخو طوطا گھبرایا ہوا اس کے پاس آیا اور کہا ''ارے... چنٹو تم یہاں منہ لٹکائے بیٹھے ہوئے ہو۔ تمھیں کچھ خبر بھی ہے۔ منٹو کو انسان اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر لے گئے ہیں۔'' یہ سب سن کر چنٹو پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہو۔

تب تک اس کے امی ابو بھی وہاں پہنچ چکے تھے اور خوخو طوطے کی تمام باتیں انھوں نے سن لی تھی۔ چنٹو کی امی زاروقطار رونے لگی۔ چنٹو کی آنکھوں میں بھی آنسو چھلکنے لگے. ان کے ابو نے کہا ''رونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ منٹو کی واپسی اب ممکن نہیں۔ سرکس والے جب ہماری نسل کے بندر کو لے جاتے ہیں تو پھر کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑتے لیکن ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہم سب مل کر اللہ سے دعا کریں سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔'' خوخو طوطے نے کہا ''انکل بالکل صحیح کہہ رہے ہیں چنٹو'' رات ہو چکی تھی سبھی جانوروں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔

ادھر لوگ منٹو کو بڑے مزے مزے کی چیزیں کھلا رہے تھے۔ لیکن اسے ان چیزوں میں بھی کوئی مزہ نہیں آتا تھا۔ اب وہ اپنی غلطی پر نادم تھا، شرمندہ تھا۔ اسے اپنی امی کی نافرمانی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اسے اپنی امی کی یہ باتیں بھی یاد آ رہی تھیں کہ ''بیٹے اگر کبھی ہم سے غلطی ہو جائے تو ہمیں اپنی غلطی کی معافی مانگنا چاہیے۔ اسی لیے جب وہ رات کے وقت اپنے پنجرے میں اکیلا ہوتا تب وہ اللہ سے معافی مانگتا'' اور کہتا کہ ''اے اللہ میری اس غلطی کو معاف کر دے۔ اب میں اپنے امی ابو کی نافرمانی کبھی نہیں کروں گا۔'' اس طرح ایک مہینہ گزر گیا۔ یہ ایک مہینہ چنٹو کے لیے ایک صدی سے کم نہیں تھا۔

آخر کار دعائیں رنگ لائیں۔ اللہ نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ کورونا کی دوسری لہر شروع ہو چکی تھی۔ چار ضلعوں میں لاک ڈاؤن کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ سرکس کے مالک کا چھوٹا بچہ بھی کورونا کی چپیٹ میں آ چکا تھا۔ مالک کے دل میں خوفِ خدا آ گیا اور اس نے منٹو کو اس کے علاقے میں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا سرکس کے کارکن حیران تھے کہ برسوں سے ہمیں جس بندر کی تلاش تھی وہ اب ان کے ہاتھ آ چکا ہے تو مالک اسے آزاد کرنے کی بات کر رہا ہے لیکن مالک کے کہنے پر وہ بندر کے بچے کو آزاد کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور جس گاڑی میں اسے لایا گیا تھا اسی گاڑی میں بٹھا کر اسے اس علاقے کے پاس چھوڑ دیا گیا۔

منٹو نے حیرت بھری نگاہوں سے سرکس کے کارکنوں کی طرف دیکھا۔ معصوم نگاہوں سے ان کا شکریہ ادا کیا اور اچھلتا کودتا اپنے رب کا شکر بجالاتا ہوا اپنے جنگل پہنچ گیا۔ اس کے امی ابو چنٹو اور جنگل کے سبھی جانور خوشی سے جھوم گئے۔ سارے جنگل میں خوشیاں لوٹ آئیں۔

پیارے بچو! اس کہانی سے ہمیں ایک سبق یہ ملتا ہے کہ ہمیں اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرنا چاہیے اور دوسرے یہ کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہمیں اپنے رب سے معافی مانگنا چاہیے۔

■

Yasmeen Bano Mohd Arif
Akbari chowk Biyabani
Achalpur - 444806 (Maharashtra)
Mob: 9370090245

آفتاب حسنین کی تیس کہانیاں

ایم مبین

اس بات کا تو ہر کوئی اقرار کرتا ہے کہ ادب اطفال لکھنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ ادب اطفال وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جو بچوں کے احساسات جذبات ان کی خواہشات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ادب اطفال لکھنے کے لیے اس زبان کا استعمال بے حد ضروری ہے جس کو بچے آسانی سے سمجھ سکیں اور بچوں کی ذہنی سطح کو بھی سمجھنا بہت ضروری ہے تا کہ ان کے مزاج اور معیار کے مطابق مواد انہیں فراہم کر سکے۔

جو لوگ ادب اطفال عرصے سے لکھ رہے ہیں ان کے لیے ادب اطفال کی تخلیق کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ مسائل ان کے لیے پیش آتے ہیں جو ادب اطفال کے میدان میں نئے نئے وارد ہوتے ہیں۔

آفتاب حسنین بنیادی طور پر ڈرامہ نگار ہیں لیکن وہ اپنی ادبی زندگی کے آغاز سے ہی ادب اطفال سے وابستہ ہیں۔ ڈرامہ نگاری کے ساتھ ساتھ ادب اطفال پر بھی انھوں نے خصوصی توجہ دی ہے۔ اس وجہ سے ادب اطفال کی تخلیق جناب حسنین کے لیے مشکل کام نہیں ہے۔

آفتاب حسنین کی یہ کتاب 'آفتاب حسنین کی تیس کہانیاں' ادب اطفال کا ایک نیا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اردو زبان میں ادب اطفال کے ادیب کے بہت کم مجموعے موجود ہیں جن میں تیس کہانیاں شامل ہوں لیکن اس کتاب میں بچوں کے لیے لکھی تیس کہانیاں شامل ہیں اس وجہ سے اس کتاب کو ادب اطفال کتاب کی ایک اہم کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ادب اطفال کا مقصد نہ صرف بچوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کرنا ہے بلکہ ساتھ ساتھ ان میں مطالعے کی عادت ڈال کر ان کی ذہنی تربیت کرنا بھی ہے۔ ان کے اندر اس تربیت سے ان کے اخلاق اور کردار کی تعمیر مقصد ہوتا ہے۔

اس کتاب میں شامل تمام کہانیوں میں آفتاب حسنین نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی کہانیوں کے ذریعے نہ صرف بچوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کرائے بلکہ انہیں کوئی ایسا اخلاقی درس بھی دے جو زندگی بھر ان کے کام آئے۔

آفتاب حسنین نے کہانیاں لکھتے وقت ہر طرح کے اس مواد کا استعمال کیا ہے جس کا استعمال عام طور پر بچوں کے لیے کہانیاں لکھتے وقت کہانی کار استعمال کرتے ہیں۔

جیسے سادھو سنت کی کہانیاں، جانوروں کی کہانیاں، راجہ رانی کی کہانیاں اور اس کے ساتھ ساتھ آج کی زندگی سے جڑی ہوئی کہانیاں۔

بچوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے محنت، ایمانداری، نیک چال چلن، کاہلی سے فرار، جیسے موضوعات پر قلم اٹھاتے ہوئے آفتاب حسنین بڑی خوبی سے بچوں کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کے آسان سی زبان میں اپنی بات کہہ جاتے ہیں اور پڑھنے والے بچوں کو ان کی دلچسپی کا سامان تو مہیا ہو جاتا ہے، ساتھ ہی ساتھ ان کی ذہنی تربیت بھی ہو جاتی ہے۔

معروف عالم حسن عباس فطرت نے آفتاب حسنین کی کہانیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا۔ بچوں کے لیے جانوروں کے کردار پر کہانیاں لکھنا سب سے مشکل کام ہے۔ لیکن آفتاب حسنین کو اس پر عبور حاصل ہے۔

اس کتاب میں 15 کہانیاں جانوروں کے کرداروں پر مبنی ہیں۔

ہر کہانی میں اسی طرح کا اخلاقی تربیت دینے والا ایک

ایسا سبق موجود ہے۔

آفتاب حسنین شروعات سے ہی اپنی کہانیوں میں اس طرح کا ماحول پیدا کرتے ہیں کہ ان کو پڑھتے ہوئے قارئین یا بچے اپنی خود احتسابی کرنے لگتے ہیں اور آخر میں آفتاب جب کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دیتے ہیں تو وہ اپنا احتساب کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں اور انھیں جہاں محسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ان سے کہیں غلطی ہوگئی۔ اپنی اس خود احتسابی کے ذریعے اسے درست کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیتے ہیں۔

ایک اچھے کامیاب قلم کار اور آفتاب حسنین کی کہانیوں کی خصوصیت ہے۔

کتاب میں شامل پہلی کہانی 'جادوئی انگوٹھی' ایک روایتی بچوں کی کہانی محسوس ہوتی ہے۔ جس میں جادو کا ذکر ہے۔ جادو کے متعلق کہانیاں بچوں کو بے حد پسند آتی ہیں۔ شاید اسی لیے اس کہانی میں حسنین نے جادو کی انگوٹھی کا استعمال کیا ہے جب ہم اس کہانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب حسنین نے اس کہانی میں اس کہانی کا عنوان 'جادوئی انگوٹھی' تو ضرور رکھا ہے، لیکن بچوں کو ایک نئی چیز سے آشنا کرایا ہے۔ انسان کی محنت، کاہلی سے اس کا فرار دراصل کسی جادو سے کم نہیں ہے۔ اگر اپنی محنت و محنت کے بل بوتے پر مشکل محسوس ہونے والے کام بھی بڑی آسانی سے کرسکتا ہے لیکن سستی، کاہلی، کام چوری کی وجہ سے آسان سے آسان کام بھی اسے مشکل محسوس ہوتا ہے۔

اسی طرح اس کتاب میں شامل ایک اور کہانی 'اس آگ کو بجھادو' بچوں کی روایتی کہانی نہ ہو کر ہمارے آج کے دور کی کہانی ہے۔ آج کے دور میں ہمارے چاروں طرف جو فرقہ پرستی، انسانوں سے انسانوں کی نفرت کی فضا قائم ہے آفتاب حسنین نے بڑی خوبی سے اس کہانی میں اس فضا کی

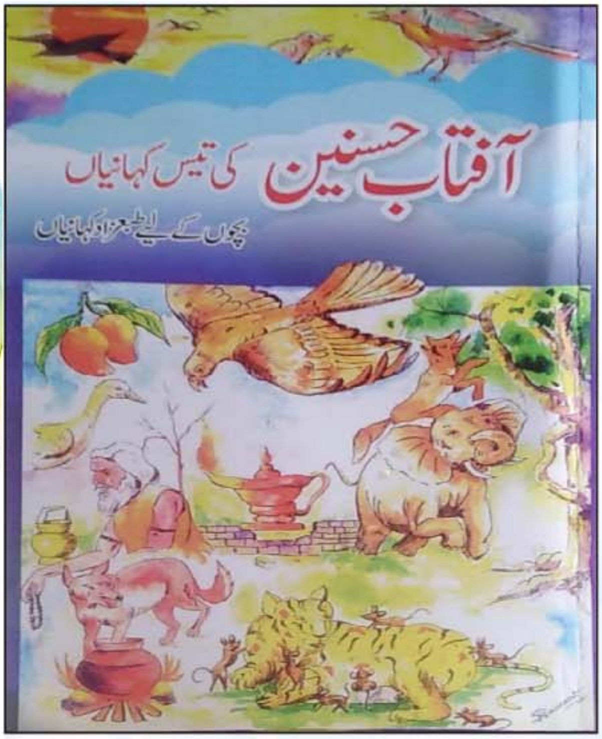

آفتاب حسنین کی تیس کہانیاں، مصنف: آفتاب حسنین، صفحات: 80، قیمت: 128 روپے، سنہ اشاعت:2020، ناشر: رحمانی پبلی کیشنز، اسلام پورہ مالیگاؤں، ضلع ناسک (مہاراشٹر)

عکاسی تو کی ہے، لیکن اس کے برے نتائج سے بھی واقف کراتے ہوئے ایک طرح سے ذہن سازی کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس فرقہ پرستی کی آگ سے ان کا نقصان ہوتا ہے بلکہ ملک کا قوم، ملت کا بھی نقصان ہوتا ہے۔

اس کتاب میں شامل ہر کہانی میں آفتاب حسنین نے اسی طرح کا درس دینے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت پر انہیں مبارکباد اور ساتھ ساتھ اور ادب اطفال کے قارئین کو سفارش کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرکے اپنے ذوق کی تسکین کریں۔ ■

M. Mubin
303, Classic Plaza, Teen Batti
Bhiwandi - 421302
Distt.: Thane (Maharashtra)
Mob.: 9322338918

زبان شناسی

الفاظ کے املا و تلفظ میں فرق

شمسی وقمری حروف: اردو میں چند الفاظ ایسے ہیں جن کے املا وتلفظ میں فرق ہوتا ہے۔ان الفاظ میں بعض حروف لکھے تو جاتے ہیں مگر پڑھے نہیں جاتے۔ان حروف کی آواز نہیں نکلتی۔ان الفاظ کی متعدد قسمیں جن کے املا وتلفظ میں فرق ہونے کی جداگانہ وجوہ وقاعدے ہیں جن کو بالتفصیل مع تلفظ ومعنی مثالوں سے آئندہ واضح کیا گیا ہے لیکن چونکہ ان میں اکثریت عربی کے الفاظ کی ہے لہٰذا پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عربی کے حروف جو اردو میں شامل کیے گئے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں: کل اٹھائیس حروف میں سے چودہ حروف قمری اور چودہ حروف شمسی کہلاتے ہیں۔

چودہ قمری حروف یہ ہیں:

الف۔ب۔ج۔ح۔خ۔ع۔غ۔ف۔ق۔ک۔م۔و۔ہ۔ے

چودہ شمسی حروف درج ذیل ہیں:

ت۔ث۔د۔ذ۔ر۔ز۔س۔ش۔ص۔ض۔ط۔ظ۔ل۔ن

کب الف کی آواز نہیں نکلتی

عربی کے مرکب الفاظ میں قمری حروف سے قبل (ال) آئیں اور الف متحرک نہ ہو تو الف کی آواز نہیں نکلتی۔صرف (ل) کی آواز نکلتی ہے اور الف سے ماقبل حرف متحرک ہوکر (ل) سے ملتا ہے۔قمری حروف سے شروع ہونے والے الفاظ کی مثالیں مع تلفظ ومعنی درج ذیل ہیں:

الف بِالاِرَادَہ= بِل+اِ+رَا+دَہ= ارادے سے

ب فَارِغُ البَال = فَا+ر+غُل+بَا+ل= فرصت والا

ج بِالجَبُر= بِل+جَب+ر= زبردستی، جبریہ

ح دَارُالحُکُومَت= دَا+رُل+حُ+کُو+مَت= دارالسلطنت۔

خ بِالخُصُوص= بِل+خُ+صُو+ص= خاص طور پر

ع بِالعُمُوم= بِل+ عُ+موُ+م= عام طور سے

غ عَلِمُ الغَیب= عَا+لِ+مُل+غَے+ب= غیب کی باتیں جاننے والا۔

ف بِالفَرُض= بِل+فَر+ض= فرض کیا جائے۔

ق بِالقَصُد= بِل+قَص+د= قصداً، جان کر

ك بِالکُل= بِل+کُل= پورے طور پر

م بِالمَواجِھَۃ= بِل+مُ+وَا+جِ+ھَۃ= دوبدو=موجودگی

و حَتّٰی الوُسع= حَت+تَل+وُس+ع=سع= جتنا ممکن ہو۔

ہ بُوالھَوَس=بُل+ہَ+وَس = لالچی، شہوت پرست۔

ی اَبُوالیاسِر= ا+بُل+یَا+سِر=ایک نام

لیکن اگر اَلف متحرک ہو تو اس کی آواز نکلتی ہے۔جیسے

اَلامَان= اَل+اَ+مَا+ن=خدا کی پناہ۔

الف کی آواز نہ نکلنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ عربی کے چند الفاظ میں جن کے درمیان ہمزہ ہوتی ہے الف لکھ کر اس پر ہمزہ بنادی جاتی ہے۔ یہ الف بھی آواز نہیں دیتا۔عربی کا یہ قاعدہ ہے کہ ہمزہ کسی لفظ کے شروع میں ہو تو اُس کو الف سے بدل دیتے ہیں۔لفظ کے آخر میں ہو تو اس کو جداگانہ لکھتے ہیں لیکن اگر لفظ کے درمیان ہو تو (الف)، یا، (و)، یا، (اے)، آواز نہیں دیتے۔ان کے بجائے ہمزہ آواز دیتی ہے۔ایسے الفاظ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

تَأَثُّر = تَ+ئَث+ثُر=(ذ)= اثر قبول کرنا

تَأَسُّف =تَ+ئَس+سُف=(ذ)= افسوس، حسرت

تَأَمُّل =تَ+ئم+مُل=(ذ)= پس وپیش، جھجک۔

جُرأَت =جُر+ئَت=(ث)= ہمت، دلیری، بہادری

مَأخَذ =مَء=خَذ=(ذ)= اخذ کرنے یا لینے کی جگہ

مَأخُوذ =مَء+خوُ+ذ= گرفتار، پھنسا ہوا

مَاکوُل = مَء+کوُ+ل= کھانے کی چیز، کھایا ہوا

مَاموُن =مَء+موُ+ن= امن سے، محفوظ

مُتَأَثِّر =مُ+تَ+ئَث+ثِر= اثر پذیر، کارگر

مَتَأَخِّر =مُ+تَ+ئخ+خِر= آخر میں آنے والا

مُتَأَھِّل =مُ+تَ+ئَہ+ھِل= کنبے دار، بال بچوں والا

تَأَھُّل =تَ+ئَہ+ھُل= گھر گرستی

■

ماخذ: صحت الفاظ، **مصنف:** سید بدرالحسن، **ساتویں طباعت:** 2019،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عبیدالرحمن

چائے اور صحت

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک   تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

چائے صدیوں سے انسانی زندگی سے اپنا گہرا رشتہ نبھاتی رہی ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں کسی بھی دوسرے مشروب سے زیادہ چائے کا استعمال ہوتا رہا ہے جو اس کی اہمیت اور اس کے تئیں انسان کی پسندیدگی کا کھلا ثبوت ہے۔ درحقیقت چائے انسانی تہذیب سے وابستہ رہی ہے مگر عجیب بات ہے کہ بیچاری چائے اگرچہ دنیا بھر کے انسانوں کو لمحۂ سکون فراہم کرتی ہے مگر اس کے باوجود بے طرح نکتہ چینیوں کا شکار رہتی ہے۔ بچپن میں ہمارے بزرگ یہ کوشش کرتے تھے کہ ہم کسی طور چائے کے قریب نہ ہوسکیں۔ بچہ اگر چائے مانگ بیٹھے تو ڈانٹ سن جاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کو چائے پیتا دیکھ کر اس کا مزہ چکھنے کو بچہ بے قرار ہوجاتا ہے مگر بزرگ خود تو چائے کی چسکیاں لیتے رہتے ہیں اور بچہ صرف خالی پیالیاں تکتا رہ جاتا ہے۔ بہرحال، یہ تو درست ہے کہ بچوں کو اس کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے مگر بعض جگہوں پر چائے کے خلاف جو شدید رویہ نظر آتا ہے وہ کسی حد تک درست نہیں ہے۔ ایسا اب سائنسی تحقیق سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

چائے سے ہم کسی دوسرے انسان کے اخلاق یا اس کی بداخلاقی کا تعین کرتے ہیں، مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا صاحب اخلاق ہے، جب بھی اس کے یہاں جاؤ، چائے سے ضرور خاطر کرتا ہے، یا پھر ہم ہی کہتے ہیں کہ فلاں انسان نہایت بداخلاق ہے کبھی کسی کو ایک پیالی چائے بھی نہیں پلاتا۔

آیئے آگے کی سطور میں ہم سائنسی تحقیق کی روشنی میں چائے اور صحت کے پس منظر میں چند حقائق پر نظر ڈالیں۔

چائے کا سائنسی نام کیمے لیاتھیا(Camellia thea) ہے۔ چائے کے پودوں پر لگی ہری ہری تازہ پتیوں اور بند کلیوں کو توڑ کر چائے کی کمپنیاں انھیں مختلف مراحل سے گزار کر ڈبوں میں پیک کرتی ہیں جو ہم تک پہنچتی ہیں۔ ہمارے ملک میں آسام اور دارجلنگ کی چائے کا شمار عمدہ قسم کی چائے میں ہوتا ہے۔

امریکہ میں چائے اور انسانی صحت پر اس کے اثرات کے متعلق مستقل تحقیقات ہورہی ہیں۔ امریکن ہیلتھ فاؤنڈیشن(American Health Foundation) نے یہ انکشاف کیا ہے کہ چائے انسانی صحت پر کئی طرح سے مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ نہ صرف ذہن اور جسم کو سکون و راحت بخشتی ہے بلکہ انسانوں کو متعدد بیماریوں سے محفوظ بھی رکھتی ہے۔ چائے کے متعلق یہ انکشاف بہت سے لوگوں کو حیرت میں ڈال سکتا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے۔ جاپان کے لوگ جو پپٹک السر (Peptic Ulcer) سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں ان کا علاج چائے سے ممکن ہوسکا ہے جب جاپانی چائے کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں تو یہ بیماری زیادہ پھیل جاتی ہے۔

چائے کی خوبی کا اندازہ یوں بھی لگا سکتے ہیں کہ صدیوں پہلے 1614 میں نیکولاس ٹلپس(Nicolas Tulps) نے اپنی کتاب آبزرویشنز میڈیسینی (Observationnes Medicinae) میں یہ لکھا تھا کہ وہ لوگ جو چائے کا روزانہ استعمال کرتے ہیں وہ دردسر، سردی زکام، دمہ(Asthma)، آنکھوں کی سوجن(Ophthalmia) اور سستی کے علاوہ معدے کی متعدد شکایتوں سے محفوظ رہتے ہیں اور لمبی عمر پاتے ہیں۔

چائے چونکہ گرم پانی میں بنائی جاتی ہے لہٰذا پانی میں موجود جراثیم ختم ہوجاتے ہیں اور اس طرح پانی سے ہونے والی بیماریوں کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔

چائے جو گرم پی جاتی ہے اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے لہٰذا گرم چائے جسم کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔

چائے اور کافی (Coffee) دونوں میں کیفین (Caffeine) موجود ہوتا ہے جس کے اثرات انسان میں گھبراہٹ یا بے چینی اور نیند نہ آنے کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں مگر چائے میں اس کیفین کی ضد یعنی ٹنین(Tannin) نامی مادہ بھی موجود ہوتا ہے لہٰذا کیفین کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ اس لحاظ سے کافی البتہ نقصان دہ ہے مگر چائے نہیں۔

چائے کے مختلف اجزا میں ایک جز فلورائڈ کا بھی ہوتا ہے۔ یہ فلورائڈ دانتوں کو صحت بخشتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر ٹوتھ پیسٹ میں فلورائڈ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی جگہوں پر پانی کی سپلائی میں بھی فلورائڈ شامل کیا جاتا ہے مگر ایسی جگہوں پر جہاں پانی میں فلورائڈ شامل نہ ہو یا استعمال میں آنے والی منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں فلورائڈ موجود نہیں ہوتو ایسی صورت میں یہ کمی چائے سے پوری کی جاسکتی ہے۔

تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ چائے خون میں کالسٹرول کو بڑھنے سے روکتی ہے۔ چائے خون کے انجماد (Coagulation) کو کم کرتی ہے اور خون کی روانی میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

چائے میں نمک کی مقدار بہت کم ہوتی ہے جو اچھی صحت کے لیے ایک مثبت پہلو ہے۔ نمک کی زیادتی سے بہت سی تکالیف پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس پوٹاشیم کی موجودگی جسم کے لیے نہایت ضروری ہے، جو چائے میں پائی جاتی ہے۔ اگر غذا میں پوٹاشیم کی کمی ہوتو یہ کمی چائے سے پوری ہوسکتی ہے۔

چائے کے حوالے سے کی گئی تحقیقات میں یہ بات بھی ابھر کر سامنے آئی ہے کہ چائے میں کینسر جیسے مرض کے تئیں قوت مدافعت بھی موجود ہے۔ اس کے اجزا کینسر کو پھیلنے سے روکنے میں مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

امریکی سوسائٹی آف مائیکرو بایولوجی (American Society of Microbiology) کے ملٹن شیفین بائر (Milton Shaffin Boyer) کے مطابق ہری چائے وائرس کا مقابلہ بہتر طور پر کرسکتی ہے۔ چائے میں پولی فینائلس (Polyphenyls) نامی کیمیکل کی موجودگی سے سانسوں میں بدبو پیدا کرنے والے جراثیم کا خاتمہ ہوتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ چائے میں جملہ خصوصیات کی موجودگی اس بات کی طرف واضح اشارے کرتی ہے کہ ہمیں چائے سے پرہیز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں مگر جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی چیز کی زیادتی برے نتائج پیدا کرتی ہے لہٰذا چائے کے استعمال میں بھی اس بات کا خیال رکھیں۔

اس سلسلے میں چند اور باتیں جن کا خیال رکھنا چاہیے وہ یہ کہ چائے کا استعمال نہار منھ یا خالی پیٹ نہیں کریں۔ زیادہ پکائی یا ابالی ہوئی گاڑھی چائے کے استعمال سے گریز کریں۔ ایک دفعہ بنی ہوئی چائے کو دوبارہ گرم کر کے نہیں پئیں۔ ایسی حالت میں اس میں موجود اجزا کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔

چائے بنانے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جب پانی ابال کو آجائے تو کیتلی کو چولھے سے اتار کر اس میں چائے کی پتی ڈالیں اور اسے مزید ابال نہ دیں۔ کم دودھ اور کم شکر کا استعمال کریں۔ ایسی چائے کے استعمال سے ہی ہمیں چائے کی خوبیوں کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

■

ماخذ: کچھ سائنس سے **مصنف:** ڈاکٹر عبیدالرحمٰن، **ناشر:** سہلہ عبید، سنہ اشاعت: دسمبر 2003

تعجب ہے...

- تعجب ہے اس شخص پر جو دوزخ کو برحق جانتا ہے مگر پھر بھی گناہ کرتا ہے۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو جنت پر یقین رکھتا ہے مگر اس کے حصول کے لیے کوشش نہیں کرتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہے مگر اس کی بندگی نہیں کرتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو قبرستان کو جاتا ہے مگر عبرت حاصل نہیں کرتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو قرآن کو پڑھتا اور سمجھتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو اذان کی آواز سنتا ہے مگر نماز کو نہیں آتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو والدین کے حقوق کو جانتا ہے مگر ادا نہیں کرتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو برحق جانتا ہے مگر اس کا خوف نہیں کرتا۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو اپنا دشمن جانتا ہے مگر اس کی اطاعت کرتا ہے۔
- تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو فانی جانتا ہے مگر آخرت کی تیاری سے غافل رہتا ہے۔

■

Sayyed Razaul Haq Irshad
Daryapur, Songra
Distt.: Cuttack (Odisha)
Mob.: 8117841627

فیضان عالم، درجہ ہفتم، اولاد حسین اسلامک اکیڈمی، کولکاتا، مغربی بنگال

شاہینہ صدیقی، شیدا بگھونوی، شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

محمد مصعب بن مولانا محمد عادل ندوی، درجہ ہشتم
المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

آفرین فاطمہ، درجہ ششم، سخاوت میموریل گورنمنٹ، ہائی اسکول، کولکاتا، مغربی بنگال

ابوسفیان عثمانی غنی، درجہ نہم (ج)
ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

زیبا انجم الہدیٰ، درجہ پنجم، علی گڑھ پبلک اسکول، علی گڑھ، اتر پردیش

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, दिसंबर 2021, वर्ष 9, अंक 12
BACHON KI DUNIYA Monthly, December 2021 Vol. 12, Issue: 09
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/11/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

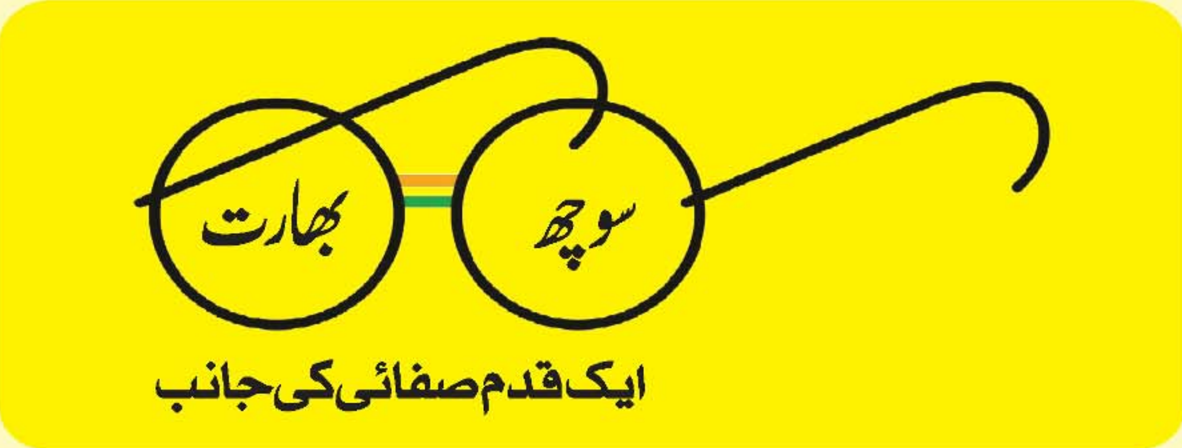

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

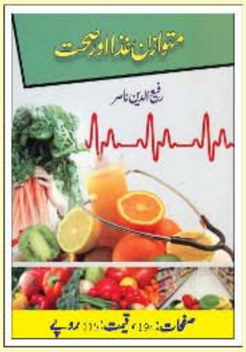

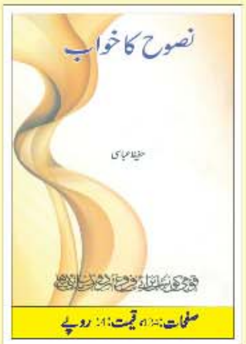

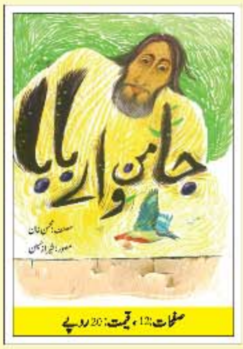

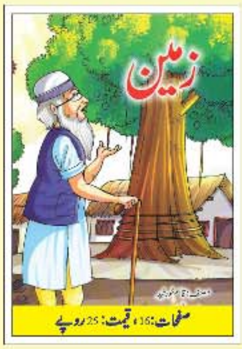

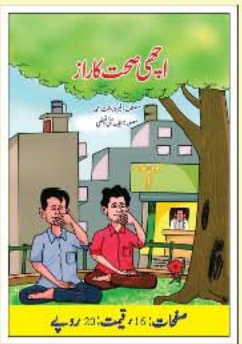

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI, DELHI PSO, DELHI RMS, DELHI-6